



ایک سگریٹ اور

انور عنایت اللہ

ایک سگریٹ اور

(پاکستان میں نشیات کا استعمال اور اس کے اثرات)

انور عنائت اللہ

مشعل

آر-بی 5، سینڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

انتساب

ان معصوم بچوں کے نام جو منشیات کے زہر سے اب تک محفوظ ہیں

ترتیب

۷	پہلی بات
۱۵	ذہنی آزمائش کا ایک کھیل
۱۹	مشیات کل اور آج
۲۹	ہمیادی معلومات
۳۸	مشیات کی چند مخصوصی قسمیں
۴۹	مشیات اور نئی نسل
۸۳	والدین کے لیے کام کی باتیں
۸۹	ایک چونکا دینے والا تجربہ
۱۰۶	روک تھام
۱۱۹	مشیات اور اسلام
۱۲۳	کیا سچ ہے، کیا جھوٹ
۱۲۹	چند مخصوص مریض
۱۳۰	آخری بات

پہلی بات

بعض واقعات بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جب یہ ایک ساتھ رونما ہوتے ہیں تو ان کی شدت، حساس انسان کو چھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس دن میرے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ پچ کے پسند نہیں۔ مجھے شاید بہت پسند ہے۔ یہ میرے ایک عزیز دوست عارف کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یہ پچھے بھیشہ بہت پیار الگتا ہے۔ نہایت معصوم اور براہما ہیں۔ پچھلا سال اس قدر ہنگاموں میں گزر اک کئی دوستوں سے رابط نہیں رہا۔ پھر میں ملک سے باہر چلا گیا۔ واپس آیا تو ایک دن مجھے شاہد بہت یاد آیا۔ میں نے اسے تقریباً ڈیڑھ سال سے نہیں دیکھا تھا۔ اب تو اس کی عمر گیارہ بارہ سال ہو گی۔ اسی شام کو میں نے عارف کو فون کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے ہاں پہنچ گیا۔

رسی باتوں کے بعد جب میں نے شاہد کے بارے میں پوچھا تو یہاں کیک بھا بھی رو نے لگیں۔ پریشان ہو کر میں نے عارف کی طرف دیکھا۔ وہ بھی خاصے اداس لگے چند لمحوں کے بعد دھیئے لجھے میں انہوں نے بتایا۔ شاہد ایک خصوصی ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں ہیر وئن کا اسے ایسا چکا لگا کہ اب اس کی جان خطرے میں تھی۔ وہ کراچی کے ایک مشہور سکول میں زیر تعلیم تھا۔ ہیر وئن کی لٹت اسے وہیں لگی۔ عارف سے اس معصوم کی پہنچان کر دل بہت دکھا۔

دوسرے دن ابھی سوہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بیزاری سے اٹھ کر گھر تی دیکھی۔ ساڑھے چھبے تھے۔ گھنٹی بجے جا رہی تھی۔ مجبوراً تھکی تھکی سی جماہی لے کر میں اٹھا

اور ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے چچا بیشیر کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے روتے ہوئے اطلاع دی رات کو مبارک کا انتقال ہو گیا۔ اسے دس بجے دفن کیا جا رہا ہے۔ چچا بیشیر میرے سے چچا نہیں تھے۔ اس طرح مبارک بھی میرا رشتہ دار نہ تھا۔ لیکن ان کے خاندان سے میرا قریبی تعلق تھا۔ اس لئے وہ لوگ رشتہ داروں سے زیادہ عزیز تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ مبارک کو ہیر و نن کی لوت پڑ گئی تھی۔ یہ بھی معلوم تھا کہ مبارک جب سے جرمی سے واپس آیا تھا، اس لعنت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تو اس نے سگریٹ پینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اسے سگریٹ کی لعنت تو برسوں پہلے لگی تھی جب وہ گرام سکول میں پڑھتا تھا۔ اسی لوت نے اسے منیات تک پہنچا دیا تھا۔ وہ تواب سدھ رہا تھا۔ وہ تو اپنے بوڑھے والدین کی خاطر، اپنی معصوم بیٹی کی خاطر، تمام بری عادتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھی وہ چھپ چھپ کر وہ کمرے میں شراب ضرور پیا کرتا تھا اب تو اس نے شراب کو بھی مہینوں سے ہاتھ نہیں لگایا تھا..... پھر جانے کیا ہوا کہ اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ کئی دنوں سے جائیداد پر گھر میں جھگڑے ہو رہے تھے۔ کل رات بھی خاصی جھک جھک ہوئی۔ بات کچھ اتنی بڑھی کہ سب نے مبارک کو کسی بات پر برا بھلا کھا۔ شاید اس جھگڑے کے بعد اپنی اجھنوں سے چھٹکارہ پانے کے لئے ایک عرصے کے بعد اس نے پہلی بار ہیر و نن کا سہارا لیا۔ پھر بے خیالی میں شراب بھی پی۔ بہت ممکن ہے غلطی سے اتنی زیادہ خواراک لے لی ہو جو جان لیوا ثابت ہوئی۔

مارک کی عمر چوتیس سال تھی۔ نہایت خوش شکل اور گہر و جوان تھا کراچی سے انجینئرنگ کی ڈگری لینے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمی گیا تھا۔ وہاں وہ منیات کے چکر میں آگیا۔ وہیں ایک معقول جرمن لڑکی سے شادی کی۔ پھر سنا کہ وہ لڑکی اسی منحوس لوت کی وجہ سے اسے چھوڑ گئی۔ جاتے ہوئے ایک پیاری بچی میاں کے حوالے کر گئی..... وہ بچی رئیسہ تھی۔ اب وہ نوسال کی تھی اور کئی سال سے کراچی میں دادی کے پاس پل رہی تھی۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا میرا دل بہت دکھا۔ ہمیشہ اس کی آنکھوں میں مجھے ایسی ترپا دیئے والی ادا سی نظر آئی جسے الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف محسوس کیا جا سکتا ہے..... ایسی تکلیف دہ ادا سی، جو حساس انسان کو مضطرب کر دیتی ہے اور دل کو مسوس

کر کر کہ دیتی ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد میں نے اس کی آنکھوں میں غم اور تہائی کے کرب کی ایسی جھلک دیکھی کہ میں کاپ گیا۔

ماں سے تو وہ عرصہ ہوا پچھر گئی تھی۔ اب وہ باپ کے سامنے سے بھی یا کیک محروم ہو گئی تھی۔ مبارک کی موت کی اطلاع پا کر بے اختیار میری آنکھوں میں اس مخصوص پنجی کا پچھہ پھر گیا اور میں نے بے چین ہو کر سوچا..... اس مخصوص کا کیا قصور ہے جو ساری عمر تیکی کی آگ میں جھلتی رہے گی؟ میرے عزیز دوست عارف کے نو عمر بیٹھے شاہد کیا قصور ہے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق ہو گیا ہے؟ آخر انالیبوں کا ذمہ دار کون ہے؟ چند افراد یا وہ معاشرہ، وہ حالات جنہوں نے بہت سی موزی لعنتوں کو جنم دے کر شاہد اور رئیسہ جیسے بے شمار بے بس بچوں کی زندگی کو جہنم بنادیا ہے؟ ان کے لاکھوں والدین کو موت کے دہانے تک پہنچا دیا ہے؟

ان چند واقعات نے میرا دل اتنا دکھایا کہ میں نے منشیات کی ابتداء اور انتہا کی داستان سنانے کا فیصلہ کیا تاکہ میں ایک عام تاری کو خبردار کر سکوں کہ خطرہ ان کے گھر سے باہر منتزا رہا ہے، ہر اس پاکستانی کے سر پر منتزا رہا ہے جو غفلت کی نیند سور ہا ہے۔

میری یہ کتاب منشیات کے مراحل اور مسائل کے بارے میں ہے۔ اس کے باوجود میں نے اس کا نام ”ایک سگریٹ اور“ رکھا ہے۔ آپ پوچھیں گے یہ نام کیوں رکھا؟ بڑا مناسب سوال ہے۔

ایک جملے میں اس کے دو علیحدہ علیحدہ جواب ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ میں سگریٹ کو بھی منشیات کی ایک قسم سمجھتا ہوں جو اتنی ہی خطرناک ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ سگریٹ نوشی اور منشیات کا قریبی تعلق ہے، جو گھر ابھی ہے اور قدرے چونکا دینے والا بھی میری تحقیق کی رو سے سگریٹ کے عادی مرد اور عورتیں منشیات کے چکر میں آسانی سے آ جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تمبا کو کا زہر نیکوٹین (Nicotine) انسان کے نظام جسم میں، انسان کے خون میں موجود ہو تو وہ بڑی خندہ پیشانی سے دیوانگی کے ساتھ منشیات کا استقبال کرتا ہے۔

سگریٹ نوشی کے سلسلے میں بعض غلط فہمیاں ہیں۔ پہلے انہیں دور کرنا ضروری

ہے۔ پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ صرف سگریٹ پینے والے ہی کینسر جیسے موزی مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ جدید تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کا شکار ہوتے ہیں جو خود سگریٹ نہ پیتے ہوں لیکن روزانہ چند گھنٹے، سگریٹ پینے والوں کے قریب، اس کے دھویں میں بسرا کرتے ہوں۔ یہ بات گھروں کے علاوہ دفتروں میں بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ سگریٹ کا دھواں بھی صحت کے لئے مضر ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بچا ایک آدھ بار سگریٹ پھونک لے تو وہ اس کا عادی نہیں ہو سکتا۔ حالیہ تحقیق نے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ سگریٹ کا دھیو، بچوں یا نو عمر ڈکھوں اور ڈکھوں کو اتنی ہی چاہکدستی اور تیزی سے قابو میں کرتا ہے جتنی برق رفتاری سے نشیات کی بدروج اپنے ناقابل تجربہ کا رشکار کو دبوچ لیتی ہے۔

اسی سال، لندن انسٹی ٹیوٹ آف سکائٹری (London Institute of Psychiatry) میں ایک ولپسپ تجربہ ہوا جو بعد کو بصیرت افروز ثابت ہوا۔ اس کے لئے جنوبی لندن کے ایک سکول کی چھ سو طالبات کا انتخاب ہوا۔ ان کی عمریں گیارہ سے سول سال تک تھیں۔ سگریٹ نوشی کے سلسلے میں ان پر تجربہ ہوئے..... حمن سے یہ ثابت ہوا کہ صرف تین سگریٹوں کا زہر، بچوں کو اس لعنت کا غلام بنایا سکتا ہے۔ اس کے مقنی یہ ہوئے کہ نشیات کی لات کی طرح، سگریٹ پینے کی عادت بھی انسان کو آسانی سے پڑسکتی ہے۔

یہ بات شاید آپ کو کچھ عجیب لگے۔ لیکن اپنی اس کتاب کے لئے سال بھرتک میں نے جو کام کیا ہے اس سے بھی یہی اندازہ ہوا کہ سگریٹ نوشی نشیات کے زہر کی ابتداء ہے۔ مواد جمع کرنے کے لئے میں نے نہ صرف ایسے ماہرین کے ساتھ کام کیا ہے جو براہ راست نشیات کا مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ ایسے ڈاکٹروں سے بھی تبادلہ خیال کیا ہے جو نشوہ کے عادی مریضوں کے علاج اور ان کی بحالی میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے طور پر میں نے بہت سے مریضوں سے بھی علیحدہ بات چیت کی ہے تاکہ یہ معلوم کر سکوں کہ وہ کس طرح اس دلدل میں پھنسے۔ ان سے یعنی مریضوں اور ڈاکٹروں سے گفت و شنید کر کے جو نتیجے میں نے اخذ کئے اس کی تفصیلات میں آگے چل کر پیان کروں گا۔ فی الحال یہ سننے کے میری تحقیق کی رو سے نشیات کے عادی مریضوں کی تقریباً ننانوے فیصد تعداد ایسے مردوں

اور عورتوں پر مشتمل تھی جو سگریٹ پیا کرتے تھے!
لوگوں نے ایک سگریٹ اور مانگ کر اپنے جھوٹے سکون کے تلاش کی ابتدائی۔

اس کے بعد ان کی طلب آہستہ بڑھ گئی اور ایک مرحلہ پر پہنچ کر اس نے ایک اور رخ اختیار کیا جسے وقت نے بے حد خطرناک ثابت کیا۔ اب وہی لوگ تڑپ کر بے چین ہو کر ہیر و ن کی ایک اور خوراک مانگنے لگے ہیں۔ جب یہ خوراک ان کی قوت خرید سے باہر ہو گئی تو پھر انہوں نے چوریاں شروع کر دیں۔ جب اس سے بھی جسم کی پیاس نہیں بجھی تو وہ تشدد پر اتر آئے، پکڑے گئے، سزا میں بھگتیں اور آخر کار ہیر و ن کی خوراکیں مانگتے مانگتے، معاشرے میں ہر طرح ذلیل ہوتے ہوئے تڑپتے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

اس مرحلے پر بہت ممکن ہے آپ کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرے۔ منتیات کے زہر بھرے شوق پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے اسی موضوع پر پر ایک اور کتاب لکھنے کی زحمت کیوں کی؟ یہ سوال بجا ہے کیونکہ واقعی اس موضوع پر انگریزی میں آپ کوئی کتاب میں مل جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی لکھی جائیں گی لیکن اردو میں ایک جامع کتاب کی اب بھی کمی ہے۔ انگریزی میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور جن میں اس خطرناک مسئلے کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس میں پاکستانی مسائل پر غور کیا گیا ہو۔ یہ سب غیر ملکی قارئین کے لئے لکھی گئی ہیں۔

میرا فلسفہ یہ ہے کہ کسی بھی دشمن سے جنگ کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کی جائیں۔۔۔۔۔ اس کی خصوصیات، اس کی قوت کاراز، جملہ کرنے کے اس کے طریقے اور انداز۔۔۔۔۔ یہ سب جانتا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی منصوبہ بندیوں کو جانے بغیر نہ اس سے جنگ کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے حملوں کو کامیابی سے روک کر اسے ہر ماحذ پر شکست دی جاسکتی ہے۔ منتیات کے خلاف جنگ تو ہم سب کو مل کر لڑنی ہو گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ میری طرح آپ سب بھی اس کے منحوس چہرے کو اچھی طرح پہچان کر اپنے آپ کو کیل کانٹے سے لیں کر لیں۔ میری کتاب کو یہی مقصد حاصل کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھئے۔

اس اہم معاشرتی مسئلے میں میری دلچسپی کی سب سے اہم وجہ بعض واقعات ہیں جن کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جن کی وجہ سے میرا دل بہت دکھاتا۔ جب میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے عام فہم انداز میں منشیات پر ایک کتاب اردو میں لکھنی ہے تو میں نے اس موضوع سے متعلق بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ مجھے اردو میں ایسی کوئی تصنیف نظر نہیں آئی جو سیدھے سادھے لفظوں میں ایک عام قاری کی معلومات میں اضافے کے لئے لکھی گئی ہو اور اس میں بنیادی مسائل کے ساتھ ساتھ منشیات کے تمام ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

میں نے سوچا اب تک میں نے اردو اور انگریزی میں درجن بھر کتا ہیں لکھی ہیں۔ ان کی اکثریت من گھڑت کہانیوں کی ہے۔ اب کیوں نہ منشیات پر کوئی ایسی کتاب لکھوں جو ایک عام قاری کو اس نئی لعنت کے بارے میں اتنی بنیادی معلومات فراہم کر دے کہ وہ خود یا اس کے قریبی عزیز آسانی سے اپنے آپ کو اس سے بچا سکیں۔

جب ایسی کتاب لکھنے کا مضمون ارادہ کر لیا اور گرد و پیش کا جائزہ لیا تو حیرت ہوئی کہ اتنے اہم اور خطرناک مسئلے کے بارے میں بھی ہمارے اکثر بھائی، بہنیں اور نوجوان کس قدر را علم ہیں۔ دنیا کے ہر موضوع پر ان کی معلومات وسیع ہیں لیکن اپنے اس خطرناک دشمن کے بارے میں ان کا تصور اب تک واضح نہیں ہے جو چکے چکے ان کے درمیان گھس آیا ہے اور جس نے ان کی معاشرتی زندگی کی جڑوں پر حملہ کر دیا ہے اور اب وہ گھن کی شکل میں ان کی زندگی کی بنیاد کھو کھلی کئے جا رہی ہے۔

ان کی علمی اوبے حصی دیکھ کر میں نے سوچا۔

یہ غنیمت ہے کہ ہمارے یہاں ایک چھوٹا سا تعلیم یافتہ، روشن خیال طبقہ ایسا بھی ہے جو منشیات کے خطرے سے خاف ہے، جسے احساس ہے کہ حملہ ہو چکا ہے اور اب وہ اور اس کا کتبہ، اس کے معصوم بچے اور عزیز واقار ب اس نئے دشمن کی زدیں ہیں۔ یہ طبقہ اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا چاہتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے، اب اس کے بچے اور بچیوں کے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ پریشان ہو کر اپنی معلومات میں اضافے کے لئے ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اسے دشمن کے بارے میں ایسی کوئی مربوط معلومات، ایک مختصر مگر جامع کتاب کی صورت میں نہیں ملتیں جسے پڑھ کر وہ

اپنے اور اپنے کنبے کے بچاؤ کی کوشش کر سکے۔ ایسی ذی ہوش قاری کو، اس کی ضرورت کا مواد فراہم کرنے کے لئے میں نے یہ کتاب.....”ایک سگریٹ اور.....لکھی ہے۔ جگ کی ابتدا تو ایسے ہی قارئین کریں گے۔ اس کے بعد دوسرے ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

مشکل سائنسی اصطلاحات کا سہارا لئے بغیر، میں نے آسان زبان استعمال کی ہے، اپنے قاری کو خطروہ کی وہ گھنٹی سنوانے کی کوشش کی ہے جو خدا جانے کب سے ہمارے ارد گرد نج رہی ہے لیکن ہم میں سے اکثر نے اس پر اب تک دھیان نہیں دیا ہے۔ اگر اب بھی ہم نے اس خطرے کو محسوس نہیں کیا اور گھنٹی کی آواز پر دھیان نہیں دیا تو میرالیقین کیجیہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے نہ ہمارا یہ معاشرہ باقی رہے گا اور نہ ہم۔

میں نے کہیں بھی دانتاً اعداد و شمار کا حوالہ نہیں دیا ہے تاکہ کسی مرحلے پر بھی قاری کو بوریت کا احساس نہ ہو۔ جن واقعات اور حالات یا کردار کے حوالے دیے ہیں، وہ سب کے سب مستند ہیں۔ صرف ملینوں کے نام میں نے عمدأً بدل دیئے ہیں تاکہ ان کی حرمت پر کوئی آخچ نہ آئے۔

مجھے معلوم ہے، ہمارے بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے ہمارے معاشرے کو مشیات سے پاک کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں خاطر خواہ کا میابی نہیں ہوئی کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر جلد قابو پایا نہیں جا سکتا۔ مسائل جو اس سے وابستہ ہیں بہت سے ایسے ہیں، بہت اچھے ہوئے ہیں اور بے حد مشکل بھی۔ دشمن بھی طاقتور ہے اور ساتھ ساتھ پا اثر۔ اس پر قابو پانے کی راہیں طویل اور دشوار گزار ہیں۔

یہ پوچھئے تو یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اسے صرف حکومت اور سماجی ادارے حل نہیں کر سکتے۔ ان کی انفرادی کوششیں دشمن کو چوتھیں کر سکتیں۔ اس لئے اس وقت سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کا ہر فرد عوام اور ہمارا نوجوان طبقہ خصوصاً اس خطرے کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو کر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے سب کی مشترکہ کوششیں بہت ضروری ہیں۔ میری یہ عاجزانہ کوشش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اپنے اس کام میں میرے کئی ہم خیال دوستوں نے میری رہنمائی کی ہے۔ میں ان سب کا ممنون ہوں۔ جب میں امریکہ گیا تو وہاں یو ایس انفارمیشن ایجنسی (U.S. Information Agency) نے مجھے کئی سہولتیں فراہم کیں۔ ان کے تعاون سے میں نے واشگٹن ڈی سی میں مشیات سے متعلق کئی اداروں کا دورہ کیا اور اب تک جو کام ہوا ہے اس کے بارے میں خاصاً مواد جمع کیا۔ اسی طرح کینیڈا کے شہر ایڈمنٹن (Edmonton) میں ایک مقامی ادارے سے متعلق جناب خلیل اللہ نے بھی فراغدی سے میری طرف دست تعاون بڑھایا۔ کینیڈا میں یہ دلکھ کر حیرت ہوئی کہ امریکہ کے مقابلے میں وہاں کے عوام کی اکثریت اب تک خواب غفلت میں مست ہے۔ ہر حال میں ان تمام امریکین اور کینیڈین اداروں اور ان کے بہت سے افراد کا بھی ممنون ہوں۔

پاکستان میں سب سے زیادہ میری رہبری میرے دوست اور محترم دانشور، ڈاکٹر سید ہارون احمد نے کی۔ وہ ملک کے مشہور ماہر نفیات ہونے کے علاوہ ایک مخلص سماجی کارکن بھی ہیں۔ انہیں بھی میری ہی طرح اسکا شدت سے احساس ہے کہ جب تک ہمارا معاشرہ، مشیات جیسی تمام لعنتوں سے پاک نہیں ہو جاتا، ہماری قوم کے وہ خواب کبھی پورے نہیں ہو سکتے جن کے لئے ہم سب نے انھک جدو جہد اور بے شمار قربانیوں کے بعد یہ آزاد ملک حاصل کیا تھا۔ ڈاکٹر سید ہارون احمد نے تفصیلی تبادلہ خیال کیلئے نہ صرف وقت دیا بلکہ چند مخصوص مریضوں کے بارے، ان کے صحیح ناموں کے اظہار کئے بغیر، اہم معلومات بھی فراہم کیں۔ یہ تفصیلات میرے لئے مشعل راہ بنیں۔ میں موصوف کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

میں اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب ہو سکا، اس کا جواب ”ایک سگریٹ اور“ کے مطالعے کے بعد آپ خود دے سکتے گے۔

انور عنایت اللہ

کراچی

۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء

ذہنی آزمائش کا ایک کھیل

آئیے۔ پہلے آپ کی معلومات کا امتحان لیں..... آئیے ذہنی آزمائش کا ایک کھیل کھیلیں۔

جب میرے ذہن میں مشیات کے بارے میں ایک الیکٹریک کتاب لکھنے کا خیال آیا جس سے عام قاری بھی مستفید ہو سکیں تو میں نے تمام نشر آور دواؤں سے متعلق بہت سی معلومات جمع کیں۔ ان کی بنیاد پر کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال دوستوں سے تبادل خیال کیا تو ایک دلچسپ حقیقت کا اکٹشاٹ ہوا۔ ان میں سے نوے فیصد کی معلومات وابجی سی تھیں۔ اس کے معنی یہ تھے مشیات کے بارے میں بڑی اکثریت کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ترقی یافتہ دنیا میں مشیات کے خطرے کے بارے میں اس قدر دو ایلا کیوں ہو رہا ہے۔ اسے سوچ کر میں نے چند سوالات ترتیب دیئے۔ انہیں میں اپ بھی وقت فرما پنے دانشور ساتھیوں پر آزماتا رہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ آپ میری اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ کریں۔ ازراہ کرم میرے مندرجہ ذیل سوال نامے میں سے صحیح جواب ڈھونڈنا لئے کی کوشش کریں۔ میں نے اپنے سوالوں کے جواب اگلے صفحے پر دیے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے صفحہ پلٹے بغیر ذہنی آزمائش کے اس معلوماتی کھیل میں حصہ لیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں شامل کیجئے۔

سوال نمبر 1۔ مشیات تک پہنچنے سے پہلے بچے اور نوجوان سب سے پہلے کون سی نشرہ آور چیز استعمال کرتے ہیں؟

-- تمبا کو، سگریٹ کی شکل میں۔

-- چرس۔

سوال نمبر ۲۔ جو لوگ بیس سال کی عمر سے پہلے منشیات کے چکر میں نہیں آتے ہیں لیکن اس سے بعد آئے تو کیا وہ ان سے اتنی آسانی سے بچ نکل سکتے ہیں جتنی آسانی سے بڑی عمر کے لوگ اس سے چھکارہ حاصل کرتے ہیں؟

سوال نمبر ۳۔ جو لوگ ہیرون کے بغیر تڑپتے رہتے ہیں کیا وہ اس کو اس لئے

استعمال کرتے ہیں کہ:

-- اس سے انہیں لطف آتا ہے۔

-- اس کے ذریعہ انہیں فرار کا راستہ نظر آتا ہے۔

یا ان کے ہم عدوست ان کا خوشی سے استقبال کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۴۔ پاکستان میں کس عمر کے لوگ اس لعنت کا زیادہ شکار ہیں؟

-- دس سال سے ترہ سال تک کے۔

-- اٹھارہ سے چھپس سال تک کے۔

-- چھپس سے پینتیس سال تک کے۔

-- پینتیس سے ساٹھ سال تک کے۔

سوال نمبر ۵۔ اس نئے کے شکار کو پہلی بار کون اس راستے پر لگاتا ہے؟

-- منشیات کے پیشہ درتا جر

-- ان کے دوست احباب۔۔۔

اتفاقاً کوئی انجانا ساختی۔

-- اخبارات، فلم اور ٹیلی ویژن۔

سوال نمبر ۶۔ مندرجہ ذیل منشیات میں سے انسانی زندگی کے لئے سب سے

زیادہ خطرناک کون ہی ہے؟

-- سگریٹ۔

-- ہیرون۔

-- چرس۔

-- افیون --

-- کوکین --

سوال نمبر ۷۔ فوری طور پر کون سی نشہ آور دو اسپ سے زیادہ خطرناک ہے؟

-- ماری اوانا (Marijuana) --

-- کوکین --

-- تمباکو کے ذریعہ بننے والی تکوٹین --

سوال نمبر ۸۔ ہیر و نچکھنے والا شخص کب اس کا عادی بن جاتا ہے؟

-- پہلے ہی دن --

-- چار پانچ مرتبہ چکھنے کے بعد --

-- بیس بائیس بار استعمال کرنے کے بعد --

-- ہر شخص کے لئے اس کا اثر اور اس کی شدت مختلف ہے --

سوال نمبر ۹۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سی نشہ آور دو اکوش راب کے ساتھ ملا کر

کبھی نہیں پینا چاہئے؟

-- کوکین --

-- سگریٹ --

-- نیند لانے والی عام طبقی گولیاں جو Sedatives کہلاتی ہیں --

سوال نمبر ۱۰۔ حاملہ عورت اگر نشہ کی عادی ہوتا سے کیا کرنا چاہئے؟

-- اسے چاہئے کہ فوراً ہر طرح کا نشہ چھوڑ دے کیونکہ یہ اس کے ہونے والے

بچے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے --

-- حمل کے ٹھہرنا کے چھیس ہفتواں کے بعد فوراً نشہ کرنا چھوڑ دینا چاہئے --

سوالات کے جوابات

نمبر ۱۔ تمباکو سگریٹ کی شکل میں --

نمبر ۲۔ اگر بیس سال کی عمر سے پہلے انہیں نشہ کی عادت پڑ گئی تو وہ بڑی مشکل ہی

سے اس کے چنگل سے نکل سکتے ہیں۔

نمبر ۳۔ سوالا نے کے تینوں جواب صحیح نہیں ہیں۔ ہیر و ن کا نشہ کرنے والوں کو جب ہیر و ن وقت پر نہیں ملتی تو ان میں جسمانی طور پر بعض علامتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً رعشہ، پسینے کا تیزی سے آنا، چکر، سر میں شدید درد وغیرہ۔ بعض پیٹ کے درد میں بنتا ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں انہیں فوری طور پر آرام پہنچانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ انہیں فوراً ہیر و ن کی ایک خوراک دی جائے۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو بعض صورتوں میں نئے باز کی موت بھی واقعہ ہو سکتی ہے۔ اس کا مکمل علاج تو اس خوراک کے بعد ہوتا ہے۔

نمبر ۴۔ اٹھارہ سے پچھیں سال تک کے لوگ۔

نمبر ۵۔ ان کے دوست احباب۔

نمبر ۶۔ سگریٹ، عموماً اس کے خطروں کا اثرات ذرا تا خیر سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن جب ہوتے ہیں تو عموماً مہلک ہوتے ہیں۔

نمبر ۷۔ کوکین۔ اس کے علاوہ وہ تمام نش آور دوائیں جنہیں انسان کھاتا پیتا نہیں بلکہ اس کا دھوان ناک کے ذریعے اپنے آپ میں جذب کر لیتا ہے۔ اس کی تفصیلات آپ اسی کتاب میں آگے چل کر پڑھیں گے۔

نمبر ۸۔ ہر شخص کے لئے اس کا اثر اور اس کی شدت مختلف ہے۔ اس کا انحصار ہیر و ن کی خوراک پر بھی ہے۔

نمبر ۹۔ نیند لانے والی کوئی بھی ڈاکٹری دوا۔ یعنی Sedarites

Tranguillizer

نمبر ۱۰۔ اسے فوراً نشہ کرنا چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ کوئی سال بھی نشہ اس کے ہونے والے بچے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

نشیات کل اور آج

اکثر ہمارے اپنے اور غیر ملکی اخباروں میں نشیات سے متعلق بہت سی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض غور و فکر کے لئے مواد فراہم کرتی ہیں۔ میں نے ایسی ہی چند خبروں کے اقتباسات جمع کئے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲۶۔ ۸۹ اگست ۱۹۸۴ء راولپنڈی میں ایک خبر تھی۔

”ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں روزانہ پچاس ہزار روپے کی ہیر و ن فروخت ہو رہی ہے۔ یہ دھن دہ جیل کے سپاہی کرتے ہیں۔ اس دھن دے میں جیل کے اعلیٰ حکام بھی مبینہ طور پر ملوث ہیں۔ ہر سپاہی جب ڈیوٹی پر جاتا ہے تو اپنے ساتھ ہیر و ن لے جاتا ہے!“
..... چند دنوں کے بعد جنگ، کراچی میں ایک خط شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا..... ”پشاور جیل میں نشیات“۔ لکھنے والے کا نام تھا..... حوالاتی ذا کر خلک۔
..... پتہ تھا..... سینئر جیل، پشاور۔ جس طرح وہ خط شائع ہوا تھا اسی طرح میں پیش کر رہا ہوں۔

”یہاں حکام حوالاتیوں کو اس بنیاد پر، پیروں میں بیڑی لگا دیتے ہیں کہ جب کوئی حوالاتی پریشان ہو گا تو لازمی کسی بھی ذریعے سے ان سے بیڑی اتنا نے کے لئے کہے گا۔ جس کے بد لے میں اس کو دو ہزار سے لے کر چار ہزار روپوں تک رشوت دینا پڑے گی۔ یہ کام بالا براہ راست نہیں کرتے۔ یہ کام جیل کے درمیانے درجے کے حکام کرواتے ہیں..... ان افراد کے لئے مشہور ہے کہ محض رشوت کے نام پر پانچ روپے تک نہیں چھوڑتے..... اس کے علاوہ یہاں نشیات کا کاروبار اپنے عروج پر ہے۔ میرے مختصر تجربہ کے مطابق، جیل میں شاید ہی ایسا کوئی شخص ہو گا جو کسی قسم کا نشہ نہ کرتا

ہو۔ چس اور ہیر وئن کھلے عام فروخت ہوتی ہے۔

اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ اتنی سخت چینگ کے باوجود یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں۔ اس کا طریقہ کاری یہ ہے کہ ان کے کچھ آدمی ہیں جو سزا یافتہ قیدی ہیں۔ یہ ان کے لئے کام کرتے ہیں۔ اگر کوئی حوالاتی خود کسی طریقے سے ہیر وئن یا چس منگوا کر جیل میں فروخت کرے تو یہ آدمی اس کو پکڑ کر بڑے صاحب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اس کو بیڑی لگا کر ایک علیحدہ چکی یعنی بند کمرے میں قید کر دیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو حکومت منشیات کے خاتمے کے لئے سخت قانون بنا رہی ہے اور دوسری طرف معاشرے کے ناسور، یہ ذیل دھندا کر رہے ہیں۔“

-----۱۲۶ پریل ۱۹۸۹ء کو ڈان، کراچی میں محترمہ نفیسه ھود بھائی کا ایک

محصر مضمون شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا۔-----

”ان بچوں کو ہیر وئن نے یتیم کر دیا۔“

”دولت خان ایک پٹھان تھا۔ وہ جام کا کام کرتا تھا۔ وہ کئی سال سے ہیر وئن کا عادی تھا۔ اس نے کی عادت کی وجہ سے آخر کار جب وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا تو اس نے ایک دن اپنے چار ننھے منے بچوں کو ایدھی یتیم خانے کے سپرد کر کے کہیں روپوش ہو گیا۔ ان تمام بچوں کی عمریں دو اور پانچ سال کے درمیان ہیں۔“

-----۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو جنگ راولپنڈی ہی نے ایک خبر شائع کی۔

”لا ہور..... صوبائی دار الحکومت میں ہیر وئن کے استعمال کی خطرناک عملت میں بیتلہ ہونے والے افراد کی تعداد تشویشاً ک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک ممتاز اندازے کے مطابق ہر روز تقریباً ایک سو نوجوان اس لعنت میں گرفتار ہو رہے ہیں اور کوئی موثر کارروائی نہ ہونے کی وجہ سے منشیات فروخت کرنے والے، یہ کاروبار آزادانہ کر رہے ہیں..... ان کی ہوس کے شکار زیادہ تر چودہ سے سترہ سال کے نوجوان لڑکے ہوتے ہیں جن میں مفت نشہ کرنے کا شوق پیدا کیا جاتا ہے!“

یہ تھی مختصر اپاکستان کی صورت حال۔ اب ذرا ہیر وئن دنیا میں ملاحظہ فرمائیے کیا ہو رہا ہے۔

-----ریاض، سعودی عرب کی ایک خبر ہے۔

”۲۳ فروری ۱۹۸۹ء کو جدہ کے سعودی ٹیلی ویژن نے اطلاع دی کہ ایک پاکستانی فرید خان کشکول کا نشیات اسمگل کرنے کے الزام میں برسراں سرقلم کر دیا گیا۔ ایک ہفتہ پہلے تین اور پاکستانی اور ایک سالی باشندے کو اسی طرح جہنم رسید کیا گیا۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ۱۹۸۷ء میں سعودی حکومت نے نشیات استعمال کرنے اور اسمگل کر کے ملک میں لانے والے، دونوں طرح کے ملزمون کے لئے سزاۓ موت مقرر کی تھی۔“

بعض دوسرے ملکوں میں بھی نشیات کی تجارت کو اتنا سنگین جرم قرار دیا گیا ہے کہ وہاں بھی اسی کی سزا موت ہے۔ مثلاً ملائشیا اور ایران میں۔ ایک مستند اخباری اطلاع ایک رو سے جنوری ۱۹۸۹ء سے فروری ۹۰ء تک ایران میں ایک ہزار چوتیس افراد کو اسی الزام میں بچانی پر لکا دیا گیا۔

اس لعنت میں بیتلاؤ گوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ امریکہ میں ہے۔ صرف ایک امریکی شہر، نیو یارک میں دولاکھ چھاس ہزار افراد اس عذاب میں بیتلاؤ ہیں۔ ۱۹۷۸ء تک پاکستان میں ایک شخص بھی ہیر و تن کا نشہ نہیں کرتا تھا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سرکاری ذریعوں کے مطابق ہمارے یہاں میں لاکھ افراد اس خطروناک مرض میں بیتلاؤ ہو گئے ہیں۔ اس کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ ایسا خطرناک کھیل کھینے والے باہر کے ملکوں میں گرفتار بھی ہو رہے ہیں اور سزا کیں بھی کاٹ رہے ہیں۔ اس طرح پاکستان کو مزید بدنام کر رہے ہیں۔

مارچ ۱۹۹۰ء میں امریکہ جاتے ہوئے میں لندن میں ہفتہ بھر رہا۔ وہاں شہر کے باہر ایک ایسے جیل خانے میں جانے کا موقع ملا جہاں پاکستانی مرد اور عورتیں نشیات اسمگل کرتے ہوئے کپڑے جانے کے بعد قید کی سزا کاٹ رہے تھے۔ انگریز حکومت نے میرے کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے مجھے ان میں سے چند سے گنتوں کی اجازت بھی دی۔ آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہو گی کہ میں نے ان قیدیوں میں کئی ایسے دیکھے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھے اور جن کا تعلق روشن خیال دولت مند گھرانوں سے تھا۔ ان میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی!

پاکستان میں یہ خطرناک زہر ہمارے ایک پڑوسی ملک کے اندر وہی خلفشار کے

نتیجے میں پھیلا۔ ہم افغانستان کی خانہ جنگی سے پہلے اس لعنت سے محفوظ تھے۔ ہمارے ساتھ ہمارے دوسرے قریبی ملک بھی محفوظ تھے۔ لیکن جیسے ہی افغانستان میں ہنگامے شروع ہوئے اور روی فوجیں وہاں داخل ہوئیں، خانہ جنگی نے زور پڑا۔ اس کے نتیجے میں ہمارے یہاں ہزاروں افغان مہاجرین کی آمد شروع ہو گئی۔ بقول جزل محمد ضیاء الحق مرحوم کے، ہم نے انہیں انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت فراخدلی سے پناہ دی۔ اس بھرت کے نتیجے میں جہاں ہمارے غنڈوں اور تخریب کاروں تک کلاشکوف جیسا مہک اسلحہ پہنچا وہاں منشیات کا زہر بھی ہمارے معاشرے کو ملا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک قابل اعتماد سروے کی رو سے ہمارے یہاں ہر بیس منٹ کے بعد ہیر و مرن کے ایک عادی مریض کا اضافہ ہو رہا ہے! اسی سروے کے مطابق پاکستان کی پوری آبادی کا دس فیصد حصہ اس خطرناک نئے کے پکڑ میں ہے۔ بدقتی سے ان میں ایک بہت بڑی تعداد نوجوانوں کی ہے۔

ان تفصیلات سے جو خاصے ڈراؤنے ہیں، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پاکستان میں نہ صرف منشیات کے استعمال میں کس خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے بلکہ یہ بھی کہ اس کی تجارت کو یہاں کتنا فرود غملا ہے۔ دنیا کے جس ملک تک بھی ہیر و مرن پہنچ رہی ہے، وہ سب کی سب نہیں تو کم از کم اس کا بہت بڑا حصہ پاکستان ہی سے باہر بھیجا جا رہا ہے۔ اس ذیل تجارت کی وجہ سے جو واقعات جہاں کہیں بھی رونما ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے میں الاقوامی اخباروں میں پاکستان کا نام خوب اچھالا جا رہا ہے۔ صاف کھل کر بے باگ دہل یہ پوچھا جا رہا ہے کہ ہماری حکومت اپنے ملک کے خطرناک سماج و مدنی عناصر کے خلاف کھل کر تحقیقات کیوں نہیں کرتی، مجرموں کو کڑی سزا کیں کیوں نہیں دیتی، کیا اس لئے کہ اس میں خود ہماری حکومت کے بعض بڑے بڑے افراد شامل ہیں؟ اسی لئے تو دنیا میں اس کے زہر کے پھیلنے سے پہلے اسے اپنی سرحدوں ہی کے اندر ختم نہیں کیا جا رہا ہے۔ کیا اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کی تجارت کرنے والوں میں بے شمار طاقتور عناصر شامل ہیں جن کا اثر اور رسوخ حکومت پر اتنا ہے کہ کوئی بھی حکومت ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتی؟ یہ کتاب لکھتے ہوئے میں نے ان سوالوں پر بار بار غور کیا ہے۔ آپ بھی غور کیجیے تو میری طرح آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ منشیات کی تجارت کے پس منظر میں واقعی

بہت سے جانے پچانے طاقتوں، باڑوہ بے نقاب ہو گئے تو کیا وہ، ان کو للاکرنے والوں کو بخش دیں گے؟ ان کے خلاف کوئی بھی سخت اقدام اٹھانے کے نتیجے میں ہونے والے سیاسی بحران سے ملک کو بچانا ممکن نہیں ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں لگتا ہے، ہم ہمیشہ مصلحتوں کے چکر ہی میں رہیں گے اور ریس اور شاہد جیسے بے شمار بچے نشیات کی لعنت کا شکار ہو کر بے بسی کی موت مرتے رہیں گے۔

موت کی تجارت کرنے والے ان سماج دشمن عناصر کا دائرہ عمل کتنا وسیع ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آج امریکہ میں پاکستان کی کسی بھی چیز سے وہاں کا دانشور اور معلومات رکھنے والا بقدر اتنا خائف نہیں ہے ہتنا کہ ہماری ہیروئن سے۔ اس سال کی ابتدا میں امریکہ کی نشیات کی انداد کی انجمن نے بعض اعداد و شمار شائع کئے۔ ان کی رو سے جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں نشیات کے شکار سب سے زیادہ پاکستانی ہیں۔ امریکہ میں اس کی تجارت میں ملوث جو غیر ملکی پچھلے سال رنگے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے ان میں بھی پاکستانیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ اسی سروے کے مطابق وہ تمام اقدام غیر تسلی بخش ہیں جو حکومت پاکستان نے نشیات کی روک تھام کے لئے اٹھا کر ہیں۔ اس کی رفتار کو ست قرار دیا گیا ہے ناموں کی وضاحت کئے بغیر یہ شکایت کی گئی ہے کہ ہمارے یہاں کے بعض طاقتوں بارسونا افراد اس تجارت میں ملوث ہیں جس کی وجہ سے اب تک تسلی بخش نتائج حاصل نہیں ہوئے۔

میں امریکہ اور کینیڈا میں جہاں بھی گیا اسی روپورٹ نے میرا منہ چڑا کر استقبال کیا۔

میں نے اپنی اس تصنیف کے لئے جو مواد جمع کیا ہے اس کی رو سے تین بڑی بصیرت افروز باتیں ابھرتی ہیں۔ نشیات کے خلاف جنگ میں شریک ہونے سے پہلے انہیں ذہن میں رکھا جائے تو اس سے متعلق نہ صرف بنیادی مسائل سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ ممکن ہے آپ کے اور میرے لئے آگے چل کر کوئی ایسی راہ نظر آئے جس پر چل کر ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ نشیات کے عادی مریضوں کی ایک بہت بڑی اکثریت ایسے مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہے جو تمباکونوشی صرف سگریٹ کی صورت میں کیا کرتی تھی۔

دوسری بصیرت افروز حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا میں نشیات کے خلاف جنگ جاری ہے۔
اس کے باوجود کامیابی کے بہت کم آثار نظر آئے ہیں۔

تیسرا اہم بات جواہر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام نشر آور اشیاء
فی الحال ہیروئن ہی کو سبقت حاصل ہے۔ یعنی سب سے زیادہ اسی کا استعمال ہو رہا ہے۔ یہ
وہ زہر ہے جس کی گرفت میں ہمارے یہاں کے ننانوے فیصد مریض ہیں۔

میری تحقیق مجھے ایسی کئی بد قسمت لوگوں تک لے گئی جن کا تعلق معاشرے کے
مختلف طبقوں سے تھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارا کوئی بھی طبقہ نشیات سے محفوظ نہیں
ہے۔ میں نے ان مریضوں کی بھی پہنسنی اور ان چند خوش قسمت انسانوں کی جدوجہد کی
کہانی بھی جو بڑی مشکل سے اس لعنت سے فیکر نکل آئے تھے ان میں مبارک بھی تھا جو
اچانک ہی خدا جانے کیسے اور کس طرح کی یہجانی کیفیت میں ہیروئن کی بہت زیادہ
خوارک لے کر چل بسا۔ ایک ہی خاندان کے دونوں عربڑ کے مجھے ایسے بھی ملے جن کے گھر کا
ماحول ایک سا تھا۔ وہ ایک جیسے حالات میں پروان چڑھتے تھے۔ دونوں کو والدین کی
محبت ایک سی ملی تھی لیکن ان میں سے ایک ہیروئن کا عادی بن گیا اور دوسرا اس زہر کا شکار
نہیں ہوا۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خوش شکل خاتون ملیں جن کا گھر کراچی کی ڈیپنٹس ہاؤسنگ
سوسائٹی میں تھا۔ گھر میں دو مریضہ یہ موتیں تھیں۔ یہاں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اس کے
باوجود یہ خاتون نش کرنے لگی تھیں۔ ایک اور گھرانے کا ایک نو دس سالہ پچھا جو نشیات
کے چکر میں بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔

ان سب کی کہانیوں میں اگلے کسی باب میں آپ کو سناؤں گا۔ فی الحال جو
سوالات مجھے پریشان کر رہے ہیں جو یقیناً آپ کے ذہن میں بھی ابھرے ہوں گے وہ یہ
ہیں..... آخر یہ کیسے ہوا؟ وہ نو عمر نو جوان، وہ تعلیم یافتہ، امیر خاتون، وہ معصوم
بچہ..... یہ سب کیوں اور کیسے اس جنگاں میں پھنسنے؟۔۔۔۔۔ مبارک جیسا تعلیم یافتہ
نوجوان جسے شروع میں کسی طرح کی ذہنی پریشانی نہیں تھی، جسے دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی،
وہ اس لعنت میں کیسے بیٹلا ہوا؟

یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہم سب کوئی کرنگور کرنا ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوا
ہے وہ بہت سی لعنتوں کا شکار ہے۔ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جن سے اگر وہ خود چاہے تو

چھکارہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن منشیات کی لٹ ایسی ہے جس کا شکار ہونے کے بعد اگر وہ ابتدائی زمانے ہی میں تیزی سے نجٹنے کی کوشش کرے تو فتح سکتا ہے ورنہ یہ عادت اس کی مکمل تباہی اور موت کا باعث بن سکتی ہے۔

مشیات کے خلاف یوں تو دنیا بھر میں جنگ ہو رہی ہے، ہمارے یہاں بھی پچھلے آٹھ دس سال سے یہ جہاد جاری ہے لیکن اس کے باوجود داییے اثرات بہت کم نظر آ رہے ہیں کہ ہم نے اس پر قابو پالیا ہے یا یہ کہ امید بندھ رہی ہو کہ ہم زمانہ قریب میں اس پر پوری طرح قابو پالیں گے۔

ان حقوق کا مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے مشیات کے خلاف جنگ ہار دی ہے۔

ابتدائی ضرور ہے کہ ہم نے دشمن کی طاقت کو ضرور محسوس کر لیا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ فی الحال ہمیں ہر محاڑ پر شکست ہو رہی ہے۔ اس شکست کو فتح میں کیسے بدلا جاسکتا ہے یا اس کی طرف کیسے قدم اٹھایا جاسکتا ہے، اس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ ساتھ ہی اس کا بھی کہ بعض ترقی یافتہ ملکوں میں مشیات کے خلاف جنگ کس کس محاڑ پر، کس انداز میں لڑی جارہی ہے۔

چونکہ میں آپ سے اپنی اس کتاب میں پاکستان ہی کے کیون لیں پر زیادہ تر گفتگو کروں گا اس لئے اس مسئلے کے ایک پہلو کی طرف بطور خاص اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ یوں تو بہت سی اشیاء مشیات کے دائرے میں آتی ہیں لیکن بعض ایسی ہیں جن سے ہمیں فی الحال بہت کم خطرہ ہے۔ ان میں سے ایک کوکین ہے اور دوسری شراب۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سخت قوانین کی موجودگی میں بھی شراب ہمارے ہاں خوب استعمال ہو رہی ہے اس کے باوجود ہماری سماجی زندگی میں اسے اتنی اہمیت حاصل نہیں ہے جتنی کہ بیرونی دنیا میں عموماً اور مغرب میں خصوصاً۔ اس لئے آگے چل کر میں جب بھی مشیات کا ذکر کروں گا، ان میں شراب شامل نہیں ہو گی۔ اس کے مضر اثرات کے بارے میں تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح ہمارے یہاں بھی مشیات کے خلاف جہاد میں حکومت کے علاوہ بہت سے سماجی ادارے شامل ہیں۔ ان کی کارکردگی سے متعلق آپ نے بھی اکثر خبریں پڑھی ہو گئی، انکے سربراہوں کے بیانات سے ہوں گے۔ جب بھی

میں ایسے بیانات پڑھتا ہوں اور اپنے اردوگرد کے حالات پر غور کرتا ہوں تو کبھی ہمت بندھتی ہے اور کبھی دل اور دماغ پر مایوسی چھا جاتی ہے
 مثلاً، شاید یہ خبر آپ نے بھی پڑھی ہو۔ ۱۹۹۰ء کو پاکستان کے نشیات کے بورڈ کے صدر نے اخباری نمائندوں کو بعض دلچسپ تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگلے چند برسوں میں انشاء اللہ ہمارا ملک نشیات کی لعنت سے پاک ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ گدوں، امازی، مالاکٹ اور دیر کے علاقے پولی (Poppy) یعنی پوست کی کاشت کے سلسلے میں مشہور ہیں۔ حالیہ کارروائی کے نتیجے میں، بقول موصوف کے، وہاں پوست کی پیداوار میں پچاس فیصد کی ہو گئی ہے۔ میں یہاں ان کے بتائے ہوئے اعداد و شمار کی تفصیلات میں جا کر اپنی اس کتاب کی دلچسپی میں کم نہیں کرنا چاہتا۔ صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بیان پڑھنے کے صرف چار مہینوں بعد جب میں نے واشنگٹن ڈی سی میں ایک بین الاقوامی ٹائم کے سربراہ سے اسی موضوع پر تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے اعداد و شمار اور تصاویر کی مدد سے مجھے یقین دلایا کہ میں نے پاکستان میں جو کچھ سننا تھا اسکا حقائق سے کوئی تعلق نہیں!

پاکستان والپیں آنے کے بعد میں نے ایسے ہی بہت سے بیانات سنے بھی ہیں اور پڑھے بھی۔ اب بھی سنتا رہتا ہوں۔ انہیں سن کر بعض اوقات ہنسنے کو جی چاہتا ہے اور اکثر روئے کو۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ ہم سب کو کھل کر اعتراض کرنا چاہئے کہ سچائی بہت تلمذ ہے اور مسئلے بہت اچھے ہوئے اور خاصے مشکل۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کے تمام بنیادی پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اس کے بعد سرکاری اداروں کے علاوہ، تمام فلاجی ادارے، سماجی کارکن اور سب سے اہم ہمارا نوجوان طبقہ سب مل جل کر اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ اگر ہم سب نے مشترکہ کوشش نہیں کی تو سمجھنے شکست فاش ہمارے مقدار میں لکھی گئی ہے۔ میں اسی ہار سے آپ کو، اپنے آپ کو، ہماری آئندہ نسلوں کو بچانا چاہتا ہوں اور ایک بار پھر بتانا چاہتا ہوں کہ ”ایک سگریٹ اور“ بنیادی طور پر خاندان کے ہر پڑھے لکھے فرد کے لئے لکھی گئی ہے۔ جو تفصیلات میں آگے چل کر بیان کروں گا انہیں آپ ایک ایسا اہم صحیفہ سمجھ کر پڑھئے جو ہماری اور آپ کی، ہمارے نو عمر طیئے اور آئندہ نسلوں کی بقا کے لئے بے حد اہم ہے۔۔۔۔۔ ایسے تمام انسانوں کے لئے جو

شرافت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں، جنہیں اپنے کنبے سے محبت ہے، جن کے خاندان کے کسی بھی فرد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تڑپ اٹھتے ہیں اس کتاب کے لکھنے کا مقصد ایسے والدین کی مدد کرنا ہے جو اپنے بچوں کو، اس کے چکر میں پھنسنے سے پہلے، منشیات کی لعنت سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ ایسے والدین کے لئے بھی ہے جن کے بچے اس لعنت میں گرفتار ہو چکے ہیں، جن کے بہن بھائی ہیر و نک کی گرفت میں ہیں اور اب اس کے چنگل سے نکنا چاہتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ خاندان کے ہر عمر کے افراد کی توجہ کے لئے لکھی گئی ہے جنہوں نے منشیات کا نام تو ضرور نہ لیکن نداں کے اثرات سے مکمل طور پر واقف ہیں اور نداں سے پیدا ہونے والے خطرات سے۔ ساتھ ہی اس سے بھی وہ واقف نہیں ہیں کہ اس منڈلاتے ہوئے خطرے سے خود کو اور اپنے خاندان والوں کو کیسے بچا سکیں۔ یہ ایسے ذہین نو عمر نو جوانوں اور بچوں کے لئے بھی لکھی گئی ہے جنہیں معلوم ہے کہ ان کے والدین اس موزی لعنت کا شکار ہیں لیکن وہ اپنی لा�علیٰ کی وجہ سے، اس احساس کے باوجود کہ ان کے والدین کو مدد کی شدید ضرورت ہے، وہ بے بی کے عالم میں سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ آخر میں، میں اس کیوضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب خود منشیات کے لئے بھی جنہیں اپنی کمزوری کا احساس ہے اور وہ اس سے نجی نکلنा چاہتے ہیں لیکن وہ بھی اپنی لा�علیٰ کی وجہ سے اس چنگل سے نہیں نجی سکتے۔ مختصرًا ”ایک سگریٹ اور“ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے آپ سب کو منشیات کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کروں۔

اس سے پہلے کہ میں منشیات کی بعض بنیادی خصوصیات کا ذکر کروں ایک آخری بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس خطرناک مرش کا علاج آپ کے اور ہمارے گھروں کے اندر زیادہ ہے اور باہر کم۔ اس جہاد کی، اس علاج کی کامیابی اور نتاکامی کا تعلق براہ راست خاندان کے تمام افراد سے ہے۔ اس لئے کتاب میں میراروئے سخن شروع سے آخر تک خاندان والوں ہی کی طرف ہو گا۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ اس مرحلے پر یہ جان لیں کہ وہ کون سی اشیاء ہیں جو منشیات کے زمرے میں آتی ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو پھر ہمیں یہ بھی جانتا ہو گا کہ ان

میں سے ہر ایک کی خصوصیات کیا ہیں۔ یہ جان لینے کے بعد ہی ان سے بچاؤ کی باتیں کرنا اور اپنے تحفظ کے منصوبے بنانا بہتر ہو گا۔

بنیادی معلومات

اج سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے دنیا نشیات کا مسئلہ اتنا لگنیں نہیں تھا۔ بعض ایسی اشیاء جو اب نہ آور دوائیں بھی جاتی ہیں اس زمانے میں تھیں، پھر بھی ان کے استعمال کی وجہ سے معاشرے..... اتنی بڑی طرح سے متاثر نہیں ہوئے تھے جتنا کہ آج کے دور میں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے آخر یہ دباقھوٹی کیسے؟ اس کی تشریخ کئی طریقوں سے، کئی پہلوؤں سے کی جاسکتی ہے۔ جب انکے اسباب سمجھ میں آجائیں اور ان کی بنیادی خصوصیات بھی معلوم ہو جائیں تو پھر ہماری سمجھ میں یہ بھی آسکتا ہے کہ اس لعنت پر قابو کیسے پایا جاسکتا ہے۔

اس مسئلے کی گہرائی میں جائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دوسرا جنگ عظیم سے پہلے کی دنیا بے حد پر امن اور پر سکون تھی۔ اس لئے اس دور کا انسان کسی قسم کی ذہنی یا جذباتی بیجان کا بہت کم شکار ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب صورت حال نہیں ہے۔ مکمل امن اور سکون سچ پوچھئے تو دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے۔ مغرب میں ہو یا مشرق میں، اکثر قومیں ایک ایسے معاشری نظام میں قید ہیں جہاں مادی قوتوں کے عروج کی وجہ سے ہر شخص صبح سے شام تک چوہوں کے دوڑ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ان حالات کی وجہ سے دنیا کی بہت سی قومیں ایک ایسی معاشرتی بدانی کا شکار ہو گئی ہیں جو گھن کی طرح انہیں لگ گئی ہے اس بڑی خاموشی سے بے شمار معصوم انسانوں کو خاموشی سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، خاندان کے خاندان تباہ کئے ہیں۔ اس حالیہ عذاب کے پس منظر میں ایک بہت بڑا عذاب ہے، جس کے خطرے سے پاکستانی عوام کی اکثریت اب تک پوری طرح واقف نہیں ہے۔ یہ ہے نشیات کی لعنت جس سے آج کی دنیا کا کوئی بھی ملک، کوئی بھی قوم پوری طرح محفوظ نہیں ہے۔ ہمارا خیال تھا، اشتراکی ممالک اس سے اب تک بچے ہوئے ہیں لیکن پچھلے دونوں

اطلاع ملی کہ روس میں بھی کئی نوجوان اس میں ملوٹ ہو کر پکڑے گئے۔ ظاہر ہے پاکستان کی طرح روس کو بھی افغانستان کی خانہ جنگی کی سزا ملی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ہم تو ہمدردی میں مارے گئے اور وہ اسلام دشمنی میں۔

معصوم انسانوں پر آخر اس یلغار کی وجہ کیا ہے؟ وہ کون سے حالات میں جنہوں نے اسے جنم دیا، جو اس زہر میلے سانپ کو جنم دے رہی ہے، جس کا شکار لاکھوں، کروڑوں عوام ہو رہے ہیں؟۔ اس وبا کی روک تھام کس طرح کی جاسکتی ہے؟ یہ سب جانے سے پہلے، اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ابتداء اس لفظ کے معنی سے کریں جو غور و فکر کرنے والوں کے لئے حوابناہوا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے وہ کون کون سی چیزیں ہیں جو منشیات کے دائرے میں آتی ہیں۔

مجموعی طور پر غور کیا جائے تو حقیقت ابھرتی ہے کہ ہر وہ چیز، ہر وہ دوام جس سے نشہ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اس کا شمار منشیات میں ہوتا ہے۔ انہیں خواب آوردہ دوامیں بھی کہہ سکتے ہیں اور نشا آور بھی جسے کھا کر، پی کر یا جسے سگریٹ کی طرح پی کر انسان پر غنودگی طاری ہو جائے۔ ایسی اشیاء کا زندگی کے ہر دور میں، ہر زمانے میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

اس وقت میرے سامنے لندن کے مشہور اخبار نائٹر کا ایک دلچسپ تراشہ ہے۔ اس کیشرا لاشاعت اخبار کی ۳ جون ۱۸۷۲ء کی اشاعت میں ایک خط شائع ہوا ہے۔ یہ ایک ایسے انگریز کا ہے جس نے کئی سال مشرق یورپ کے بعض علاقوں میں گزارے تھے۔ وہاں اب کئی ملک ہیں..... ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ وغیرہ۔ وہ لکھتا ہے۔

”آپ کے اخبار کے ۱۶۔ اپریل کے شمارے میں ایک خط شائع ہوا ہے جس میں ہندوستان کے محصول وصول کرنے والے ایکساائز کے مجھے کی کارکردگی کا ذکر ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس میں منشیات کا بالکل ذکر نہیں، خصوصاً ایک عام ہندوستانی کی سماجی اور اخلاقی زندگی میں اس کے مضر اثرات کا۔

اپنی مشرقی ملکوں کی سیاست کے زمانے میں بد قسمتی سے میں نے انسان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر، اس لعنت کے خطرناک اثرات دیکھے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج یورپ کے باشندوں کو اس کا مطلق احساس نہیں ہے کہ ہندوستان کی کتنی بڑی آبادی منشیات کی گرفت میں ہے۔

ان علاقوں میں نشہ آور چیزیں کئی ذریعوں سے استعمال ہو رہی ہیں۔ مثلاً تمباکو، شراب، افیون کے ذریعے۔ ہندوستان میں عام طور پر لوگ پان کھاتے ہیں۔ اس میں وہ لوگ ایک خاص قسم کے پتوں کے علاوہ چھالیہ، کھا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اکثر لوگ تمباکو کی پتی بھی پان میں استعمال کرتے ہیں۔ ملایا اور اسکے گرد نواح کے کئی ملکوں میں پان میں چھالیہ اور کھا استعمال نہیں ہوتے۔ ان کی جگہ وہ کئی قسم کے مسالے استعمال کرتے ہیں جو نشا اور ہوتے ہیں۔

میں نے ایسی ہی بری عادتیں جنوبی امریکہ کے بعض علاقوں میں بھی دیکھی ہیں۔۔۔۔۔ مثلاً انڈیز کے ”انکا“ قبائل کے لوگ، کوکو کے پتے نشے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ میں نے پیرو (Peru) میں بھی دیکھا ہے کہ وہاں کس طرح معقول اور شریف گھرانوں کے نوجوان بڑے شوق سے کوکو کے پتے چایا کرتے ہیں۔ انہیں یہ اس قدر پسند ہیں کہ انہیں حاصل کرنے کے لئے اکثر موقع پاتے ہی جنگلوں کا رخ کرتے ہیں جہاں کوکا پودا بہت اگتا ہے۔ یہ سلسلہ برسوں جاری رہتا ہے۔ انہیں اس وقت ہوش آتا ہے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے جب ان کی سانس بد بودار ہو جاتی ہے، رنگت پیلی پڑ جاتی ہے، ہونٹ اور دانت زردی مائل ہو جاتے ہیں اور ان کی چال ڈھال میں بھی فرق آتا ہے۔

حیرت ہے کہ ان تمام بڑے اور کراہت پیدا کرنے والے اثرات کے باوجود یہ نوجوان اس لست کو بر انہیں سمجھتے۔ وہ تو کوکو کے پتے اس یقین کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ وہ انہیں بعض غیر معمولی خصوصیات بخشتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی پسندیدگی کا راز یہی تصور ہے۔“

اس چونکا دینے والے خط کے آخر میں لکھنے والے نے اپنے نام کی جگہ ”ایک بوڑھا سیاح“، لکھا تھا اخبار ناگزیر کی اس اتنی قدیم روپورٹ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ منیات کے خطرے سے آج سے ایک سوا تھارہ سال پہلے بھی بعض دور اندیش لوگ واقف تھے اور وہ عوام کو اس طرف چوکنار ہنے کے لئے خبردار کر رہے تھے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ منیات ہے کیا اور اس کے معنی کیا ہیں؟ پرانی لغتوں میں دیکھئے تو یہ لفظ آپ کو عام طور پر نہیں ملے گا۔ یہ دراصل انگریزی لفظ نار کوکس

(Norcoetics) کا ترجمہ ہے۔ انگریزی کی پرانی لعنتوں میں بھی اس کا ذکر مشکل سے ملتا ہے کیونکہ یہ ہماری اپنی صدی کی لغت ہے۔ کوئی بھی ایسی دوایا کھانے پینے کی چیز جو انسان کے حواس اور سوچ اور سمجھ کی قوت کو کچھ اس طرح کند کر دے، سست کر دے کہ اسے اچھے برے کی تمیز نہ رہے، اس پر نیند کا ہلاکا ساغلبہ طاری کر دے اور جس کے بار بار استعمال سے انسان کو اس کی لٹ پڑ جائے، وہ چیز یا دوا، منشیات کا کوئی نہ کوئی جز ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسی تمام دوائیں یا اشیاء جن کے استعمال سے انسان کا ذہن اور اس کا جسم اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح قدرت چاہتی ہے یا جس طرح کام کرنے کے لئے قدرت نے انہیں بنایا ہے، منشیات ہیں۔

منشیات ڈاکٹروں یادو دوکانوں سے حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ ان میں سے چند کی طبی خصوصیات بھی ہو سکتی ہیں۔ بعض کی نہیں ہو سکتیں۔ عموماً منشیات پودوں سے حاصل کی جاتی ہے، ایسے پودے جو جنگل ویرانوں میں خود رو ہوتے ہیں یا انکی کاشت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مخصوص ماحول میں، مخصوص حالات میں ہو سکتی ہے۔ منشیات کو تحریک گاہوں میں بھی تیار کیا جاسکتا ہے۔ ان کی بعض صورتیں، بعض اقسام قانونی ہوتی ہیں اور بہت سی غیر قانونی۔ ان میں سے چند صحت کے لئے مفید بھی ہو سکتی ہیں اور چند بہت زیادہ نقصان دہ۔

منشیات کی اس تعریف کو ذہن میں رکھیے تو بہت سے دلچسپ منطقی نتیجے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہیر و ن جس نے پاکستان کو دنیا بھر میں بہت بدنام کیا ہے، اسے بھی بعض مخصوص حالات میں دوائیں شمار کیا جاسکتا ہے۔ عام قسم کے ٹوٹھ بیٹ میں فلورائٹ ہوتا ہے۔ اسے بھی ڈرگ (Drug) یعنی مضر دوائے کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

ان حقائق کے باوجود ان سب میں جسے ڈاکٹر عام طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض منفرد یعنی اکیلی یا غیر مرکب دوائیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کی سوچ کی قوت کو، اس کے انداز کو، اس کے محسوسات کو، اس کے عمل کو، بدل سکتی ہیں۔ ایسی چیزیں صحت کے لئے بہت نقصان دہ ہیں۔ یہ سب منشیات کھلاتی ہیں اور انسان کو ان سے ہر حالت میں پچنا چاہئے کیونکہ یہ سب کی سب جلد یا بدیرا سے قبر تک لے جاتی ہیں۔

منشیات اور دوسرے عام قسم کے ڈرگز (Drugs) میں یعنی منفرد دوائوں میں

فرق یہ ہے کہ یہ دوسری دواوں کے مقابلے میں انسان کے ذہن اور حس اور فہم کو براہ راست متاثر کرتی ہیں۔

نشیات کے عادی مریض کا تعلق معاشرے کے کسی بھی طبقے سے ہو سکتا ہے اس کی عمر کی کوئی قید نہیں وہ مرد ہو سکتے ہیں اور خاتمین بھی۔ پڑھ لکھ بھی اور جاہل بھی۔ ذہین اور ذہنی شعور بھی اور ساتھ ہی کند ذہن اور حمق بھی ہو سکتے ہیں۔ میری تحقیق بتاتی ہے کہ اس سے کوئی بھی یعنی کسی قسم کا انسان بھی محفوظ نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس کے لئے موافق حالات پیدا کئے اور اپنی کمزوری کی وجہ سے خود کو شکار کے لئے پیش کیا تو یہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گی۔ ہمیں اپنا غلام بناؤ کر رہے گی۔

دوسرے لفظوں میں انسان کی کمزوری کے ساتھ ساتھ نشیات کا شکار ہونے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ لوگ اسے ایک وجہ سے شروع ہو سکتے ہیں اور کسی اور وجہ سے اسے جاری رکھنے یا اس دلدل میں پھنسنے پڑنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ اکثر حالتوں میں بھس کا جذبہ انسان کو اس لعنت کی طرف لے جاتا ہے۔ عموماً نوجوان طبقہ اسے ایک انوکھا اور دلچسپ تجربہ پچھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے اگلے مرحلے میں وہ اسے باقاعدہ استعمال کرنے لگتا ہے۔ بعض دوسرے لوگ زندگی کے مختلف مسائل سے فرار حاصل کرنے کی کوشش میں اس کے چکر میں پھنستے ہیں۔ یہ مسائل جسمانی بھی ہو سکتے ہیں اور ذہنی اور روحانی بھی۔ معاشرتی بھی ہو سکتے ہیں اور جذباتی بھی۔ ان کے استعمال سے وقتی طور پر تو سکون ملتا ہے نا؟ تباہی تو اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔

آج کی مادی دنیا میں معاشری اور معاشرتی دباؤ کس پر نہیں؟ ایسے لوگوں کو وقتی طور پر نشیات کا جن اپنے دباؤ سے نجات کا راستہ دکھاتا ہے۔

نشہ کرنے کی ابتدا گھر میں بھی ہو سکتی ہے اور گھر سے باہر بھی۔ گھر میں بچے اگر باپ کو سگریٹ پیتے دیکھیں یا شراب پیتا دیکھیں تو ایسے بچوں کے لئے گھر سے باہر نشیات کا استعمال ایک معمولی عمل ہوتا ہے۔ وہ چرس یا ہیر وئیں کے استعمال کو بھی سگریٹ اور شراب نوشی کی طرح ایک ذرا مختلف تجربہ سمجھتے ہیں، شروع شروع میں یہ انہیں بے ضرر لگتا ہے۔ بعض طبقوں میں، بعض معاشروں میں نشیات کے استعمال کو فیشن سمجھا جاتا

ہے۔ ان سے متعلق افراد یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اس عمل کو نہ اپنائیں، اس فیشن میں شامل نہ ہوں تو ان کا معاشرہ انہیں قبول نہیں کرے گا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ ان کا استعمال شروع کرتے ہیں۔

اکثر لوگوں کے لئے منشیات کا پہلی بار استعمال بے حد اہم ہوتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک بار استعمال کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ فوراً اس کے چنگل میں، اس کی گرفت میں پھنس گئے ہیں۔ اس طرح کی ابتداء سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ ان کی پہنچا ہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نیند کے لئے تر سے ہوئے وہ مریض جو ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی ایک طرح کی نشا آور دوائیں استعمال کرتے تھے، وہ دوسری خطرناک قسم کی منشیات کو بھی بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابتداء میں یہ عمل خطرناک نہیں ہوتا لیکن وہ انسان کے جسم کو اس کا آہستہ آہستہ عادی ضرور بنا دیتا ہے جس کی وجہ سے جب ان کا استعمال یا استعمال کی حد، ایک خاص سطح سے بڑھ جاتی ہے تو یہ خطرناک ہو جاتی ہے بیہاں یہ یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ منشیات مہلک بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے شکار کو ہلاک بھی کر سکتی ہے جیسا کہ ہیر و ون کی غلط خوراک نے مبارک کو ہلاک کیا تھا۔ اس طرح یہ تو واضح ہو گیا ہو گا کہ منشیات کی ایسی کوئی بھی قسم نہیں ہے جو نقصان نہیں پہنچاتی۔ میری مراد یہ ہے کہ حدود کے اندر بھی یہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، اس طرح کہ ان کی وجہ سے جسم کے ساتھ ساتھ انسان کا ذہن بھی بری طرح سے متاثر ہوتا ہے اور وہ نفسیاتی طور پر تو اسے بالکل نکلا کر دیتی ہے۔

اس نقصان کی بھی حدود ہیں۔ یہ حد انسان کی جسمانی ساخت اور اس کی صحت کے تناسب سے گھشتی اور بڑھتی ہے۔ یعنی اگر ایک ملی گرام ہیر و ون سے کسی عادی مریض کا کچھ نہیں بگزتا تو اتنی ہی خوراک کسی دوسرے انسان کے لئے مہلک ہو سکتی ہے۔ اگر اس کی خوراک غلطی سے بڑھ گئی تو یہ ہمیشہ مہلک ثابت ہوتی ہے۔ اس کی بہترین مثال مبارک کی اچانک موت ہے جس کی تفصیلات میں اپنی اس کتاب کے ابتدائی صفحوں میں پیش کر چکا ہوں۔

منشیات کے استعمال کے اس پہلو کو سمجھنے کے لئے شرایبوں کی قوت برداشت کی

مثال کو یاد کیجئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا یا سن ہوگا کہ کوئی شراب صرف ایک یا دو چھوٹے پیگ پی کر بہک جاتا ہے تو کوئی دوسرا اسکی کی پوری بوتل ختم کر دیتا ہے اور بالکل ہوش اور حواس میں رہتا ہے۔

اب منشیات کی ساخت اور استعمال کو علم طب کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے تو ایک عجیب بات سامنے آتی ہے۔ سائنس و ان ایسی چیزوں کی تعریف یوں کرتے ہیں: ان کی رو سے یہ ایسی دوا ہے جو اپنے کیمیائی اثرات سے انسان کی سوچ، اس کے جسم اور اعضاء کو اس کی حرکتوں سمیت متاثر کرتی ہے۔ یہ تعریف انسان کی پوری شخصیت کو اپنے دائرہ عمل میں لے لیتی ہے۔ اس وضاحت اور تعریف کے تحت بعض مخصوص قسم کی دوائیں بھی آتی ہیں اور سگریٹ شراب وغیرہ بھی۔ ان میں سے کئی روزمرہ کے استعمال کی بھی ہو سکتی ہیں جن سے ہمیں اور آپ کو آئے دن واسطہ پڑتا ہے۔

بعض حالات میں، بعض صورتوں میں ایسی تعریف خاصی پیچیدہ اور ابھی ہوئی گلگتی ہے کیونکہ بنیادی طور پر الکوھول۔ (Alkohal) جس سے شراب بنتی ہے یا شراب میں جس کا عصر زیادہ ہوتا ہے، منشیات کی فہرست میں آتا ہے لیکن اسی الکوھول کا ایک روپ ”ایمھائل الکوھول۔“ (Ethyl Alkohal) ہے۔ یہ بہت سی مفید دواؤں میں استعمال ہوتا ہے اور بے ضرر ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ عموماً کسی قسم کی منشیات کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا ہر نشہ اور چیز کے بہت سے ملے اثرات ہوتے ہیں یہ ہر شخص کے لئے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں، ان کا انحصار ان کی مقدار پر بھی ہو سکتا ہے اور کسی شخص کی قوت برداشت پر بھی اگر دونوں پہلو ایک سے ہوں، لیکن جن حالات میں وہ دوا استعمال ہوئی وہ اگر بد لے ہوئے ہوں تو اس کا اثر بھی مختلف ہو سکتا ہے، اس سے مختلف نتیجہ نکل سکتا ہے۔

اسی باب میں میں نے پہلے منشیات کی خصوصیات کے بارے میں وہ حقائق بتائے جو تحقیق اور تجربے سے نوٹ کیے گئے، اسے بعد میں نے خالص طی نقطہ نظر سے ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی تاکہ میری طرح آپ بھی، ایک عام قاری بھی اپنے دشمن کو اس کے ہر روپ میں آسانی سے پہچان سکے۔

خدا نے انسان کو واقعی مظہر الحجائب بنایا کر پیدا کیا ہے۔ اس کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ وہ خطرے مول لینا پسند کرتا ہے۔ اکثر صورتوں میں وہ جانتے بوجھتے، مشیات کی لٹ لگاتا ہے کہ دیکھیں اس کا خطرہ مول لے کر کتنا لطف آتا ہے۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ رتیز چلانا کس حد تک خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے آئے دن حادثے ہوتے ہیں اور سڑکوں پر بے شمار لوگ ہرسال مارے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انسان کا رتیز رفتار چلا کر لطف اٹھاتا ہے۔

مشیات کو تفریح سمجھ کر شروع کرنے والے بھی لطف اٹھانے کے لئے اس کے چنگل میں پھنستے ہیں۔ لیکن کار تیز چلانے والوں اور مشیات شروع کرنے والوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ وہ یہ کہ تیز کار چلانے والا جب چاہے اپنی عادت کو خیر با د کہہ کر، کار آہستہ بھی چلا سکتا ہے لیکن مشیات کے چکر میں پڑنے والا اپنی عادت عموماً تین آسانی سے ترک نہیں کر سکتا۔ یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا الیہ ہے اور ہم سب کے لئے اس سکھیں مسئلے پر سمجھیگی سے غور کرنے کا اہم موڑ۔

دوسرے لفظوں میں کوئی بظاہر بے ضرر چیز بھی ضرورت سے زیادہ یا غلط طریقے سے استعمال ہو تو یہ انسانی جسم اور ذہن کو متاثر کر سکتی ہے۔ مثلاً چائے، کافی اور سگریٹ وغیرہ کو لیجھے جنہیں ہم بغیر کسی ہمچکی ہٹ کے دن رات خوب استعمال کرتے ہیں۔ مغربی ممالک میں شراب کو بھی اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ اب وہاں شراب نوشی نے بے حد خطرناک رخ اختیار کر لیا ہے۔ وہاں اس کا استعمال کچھ اس قدر مقبول اور عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی سے کہا جائے کہ کافی اور سگریٹ اور شراب کو نہشات میں شامل کیا جا سکتا ہے تو

شاید لوگ یقین نہ کریں۔ بعض ملکوں میں ان چیزوں کے خطرناک پہلوؤں کو اس حد تک محسوس کیا جانے لگا ہے کہ ان سب کو بھی کم سے کم استعمال کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ آج کے دور میں جن چیزوں کو ہم نے مشیات سمجھ کر ان سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں وہ قدیم زمانے میں سینکڑوں سال تک خوب استعمال ہوتی تھیں۔ کوئی بھی چیز کم استعمال ہو یا اسے کبھی کبھار استعمال کیا جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتی۔ بعض شرایبوں کو ایسی مخصوص قسمیں ہیں جنہیں اگر اعتدال سے وقف و قفع سے پیا جائے تو بہترین نامک کا کام دے سکتی ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہوتی ہے کہ کمزور انسان اسے ایک بار شروع کرتا ہے تو پھر اپنے آپ پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس کے بعد اس چیز کا استعمال، اس کی عادت میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا یہی موڑ ہے جہاں سے اس کی تباہی شروع ہوتی ہے۔

نشیات کی چند مخصوص قسمیں

چرس

اب تک ہم نشیات کے بارے میں مجموعی طور پر باتیں کرتے رہے ہیں۔ میں اب اس باب میں بعض مخصوص نشیات کا ذکر کروں گا، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ان کی بنیادی خصوصیات کا ذکر کروں گا۔ بعض نشیات بہت خطرناک ہیں ان کی جدید طرز کی قسمیں بھی ہیں جو مغربی ممالک میں استعمال ہو رہی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان اب تک ان سے محفوظ ہے۔ میں ان کا صرف مختصر آذکر کروں گا اور تفصیلی طور پر صرف ان نشیات کا جو پاکستان میں بہت زیادہ استعمال ہو رہی ہیں یا جن کے استعمال کا امکان ہے۔ بر صیر ہند و پاک میں افیون اور چرس کا استعمال صدیوں سے ہو رہا ہے۔ دوسری نشہ آور دوائیں مثلاً مارفین (Morphine)، پیتھین (Pethidine) اور مختلف قسم کے باربی چیوریٹس (Barbiturates) اس صدی کی چھٹی دہائی میں منظر عام پر آئیں۔

مختلف قسم کی نشیات کو کس طرح مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کا استعمال کس طرح، کس انداز میں عام ہوا، ان کے اس سفر کا تحقیقی جائزہ دنیا کے بہت سے دانشوروں نے وقت فرط لیا ہے۔ جناب کے۔ حسین کا اندازہ ہے کہ ہمارے یہاں ۱۹۷۲ تک چار فیصد پاکستانی افیون کی لوت کا شکار تھے۔ ہمارے بڑے بوڑھے جانتے ہیں کہ کسی زمانے میں شہروں میں اور مدنوں تک دیہاتوں اور چھوٹے قصبوں میں اکثر ماں میں شیرخوار پچوں کو چین کی نیند سلانے کے لئے راتوں کو افیون کی ایک نسبتی سی خوراک دیا کرتی تھیں اور کبھی یہ نہیں سوچا کرتی تھیں کہ یہ کوئی خطرناک چیز ہے یا ان کا یہ عمل قبل نفرت ہے۔

برصیر کے علاوہ مشرق کے دوسرے بہت سے ملکوں میں بھی افیون اور چرس صدیوں سے استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس کے باوجود کسی نے انہیں کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اسی لئے متوں انہیں نظر انداز کیا گیا لیکن منشیات کا عذاب مشرقی ملکوں سے پھیل کر جب مغرب پہنچا تو یا کیا یک ترقی یافتہ دنیا جاگ اٹھی اور دنیا بھر میں ہر طرح کی نشہ آور چیزوں کا ذکر کھل کر ہونے لگا اور آہستہ آہستہ مغرب والوں کی نیندا رگئی۔

سب سے پہلے چرس کو بھج جو مغرب میں کینا بس (Cannabis) کہلاتی ہے اسے ایک طرح کے پودے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ صدیوں سے صرف ایشیائی ملکوں میں ہی پایا جاتا تھا لیکن خدا جانے کس طرح یہ پوامغرب میں بھی جا پہنچا اور اب یہ دنیا کے بہت سے گرم ملکوں میں بھی اگایا جانے لگا ہے۔ اس پودے کے روشنے سے رسیاں بانٹی جاتی ہیں۔ اس پودے کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے چند میں سے ایک طرح کا تیل نکالا جاتا ہے۔ اسے اگر نشے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تیل نکالنا خاصا مشکل ہوتا ہے اور یہ سارا عمل وقت طلب بھی ہے، جس کی وجہ سے تیل عام طور پر نہیں ملتا۔

چرس کو تمباکو نوشی کے انداز میں پیا جاتا ہے۔ اسے کھایا نہیں جاتا۔ جب اسے سگریٹ کے طور پر پیا جائے تو اس کا زہر فوراً خون میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر یہ پھیپھڑوں میں جا داخل ہوتا ہے۔ لیکن اگر چرس کو کھایا جائے یا پانی میں ملا کر پیا جائے تو خاصی دیر کے بعد اس کا اثر ہوتا۔ اسی لئے چرس کو اس انداز میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

چرس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مزاج کو پست کر دیتی ہے جس کی وجہ سے انسان بے حد افسردہ ہو جاتا ہے اور اس پر بڑی گہری پژمردگی چھا جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے نہیں کم غنوڈگی طاری ہوتی ہے لیکن انسان کا عمل اور سوچ دونوں ست پڑ جاتے ہیں۔

چرس کو پہلی بار استعمال کیا جائے تو پہنچے والا کچھ محسوس نہیں کرتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کسی نئے برائٹ کا، نئے قسم کے تمباکو کا سگریٹ پیا ہے۔ دو تین بار استعمال کے بعد کبھی کبھار بلکی سی نیندا آتی ہے۔ چرس پہنچنے کے بعد بعض لوگ ہلکی سی متی محسوس کرتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اگر چرس کو آہستہ آہستہ اس کی مقدار بڑھا کر پیا جائے تو ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ پینے والے کونہ وقت کا احساس رہتا ہے اور نہ زماں و مکان کا بعض اوقات اسے بغیر کسی وجہ کے، بغیر کسی بنیاد کے، دہشت ہونے لگتی ہے۔ یہ جذبہ وقتی طور پر رہتا ہے۔ پر مریض کو ڈھنی طور پر سکون ملتا ہے اور پھر اس پر نیند کا غلبہ چھا جاتا ہے۔

چرس کے استعمال کے چند منٹ کے بعد ہی اس کے اثرات جلوہ دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے زہر کا مکمل اثر ایک گھنٹے تک رہتا ہے۔ زیادہ تجربہ کار چرسی، اسی لئے ہر گھنٹہ بعد چرس کی دوسری خوراک لے لیتے ہیں تاکہ خاصی دیر تک سرور باقی رہے۔ اس طرح چرس کے اثرات کسی حد تک شراب کے اثرات سے ملٹے جلتے ہیں لیکن نمایاں فرق یہ ہے کہ شراب کا نشہ ختم ہو جاتا ہے تو بڑی دیر تک طبیعت مکدر رہتی ہے اور بعد کے اثرات جو چرس کا خاصہ ہیں، اکثر نہیں اہم ہوتے۔

نشیات کی دوسری اقسام کے مقابلے میں چرس کو محفوظ نہ آور دو سمجھا جاتا ہے۔ اس کی زیادہ خوراک کے استعمال سے موت بہت کم واقع ہوتی ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے بعض جسمانی تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں۔ مثلاً جب اس کا نشہ خوب چڑھا ہو تو انسان کی آنکھوں کی پتیماں سکڑ جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

چرس کو اگر طویل مدت کے لئے استعمال کیا جائے تو اس بات کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ انسان کا جسم اس کی زیادہ سے زیادہ خوراک مانگنے لگے گا۔ اس کی یہ مانگ بھی نہیں گھٹتی بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جاتی ہے، حتیٰ کہ مریض نہ دین کار رہتا ہے اور نہ دنیا کا۔

چرس کے کئی ملٹے جلتے روپ بر صغیر میں عام ہیں۔ بعض علاقوں میں غلط یا صحیح انہیں بھنگ اور گانجابھی کہا جاتا ہے۔ افریقی ملکوں میں یہ حشیش (Hashish) اور ڈوگا (Dagga) کے نام سے مشہور ہے اور مغربی ملکوں میں اسی کا ایک اور روپ ماری اوانا (Marijuana) کسی زمانے میں بہت مقبول تھا۔ اسے امریکہ کی سڑکوں پر بکھی پوت (Pot) یا پاٹ کے نام سے بھی فروخت کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ زیادہ مہنگی نہیں تھی، اس نے ایک زمانے میں امریکین تعلیمی اداروں میں اس کی مانگ بہت زیادہ تھی۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مری اوانا (Marijuana) اور حشیش

(Hashish) دونوں ہی کینا بس (Cannabis) کے دو قریبی روپ ہیں ہمارے اپنے جانے پہچانے چس کے ماری اوانا، پودے کے سوکھے چپوں اور اس کے پھولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کارگ بزرہ مائل بھورا بھی ہوتا ہے اور کسی حد تک خاکی بھی ہوتا ہے۔ اس میں سے بڑی منفرد بلوٹکتی ہے جسے خوبصوریں کہا جا سکتا۔ حشش (Hashish) کو بھی چس کے پودے ہی سے حاصل کیا جا سکتا۔ اس پودے میں سے رس نکال کر منشیات کی یہ قسم تیار کی جاتی ہے۔ یہ ماری اوانا (Marijuana) سے زیادہ طاقتور نہ آور دوا ہے۔ اس لئے اس کا اثر بھی نسبتاً زیادہ تیز ہوتا ہے اور قدرے دیر پا بھی۔ اسے بھورے اور کبھی کھار سیاہ چھوٹے تو دوں کی شکل میں فروخت کیا جاتا ہے۔

ان دونوں نشر آور دواؤں کے استعمال کے بعد دل کی دھڑکن میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے بھوک بہت بڑھ جاتی ہے اور زبان اور منہ خشک ہو جاتے ہیں اور بار بار پانی پینے کو جی چاہتا ہے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ چس جس کے منہ بالا روپ مغرب میں مقبول ہیں، بر صیر کی مخصوص پیداوار ہے۔ پاکستان کے شمالی علاقوں میں یعنی پنجاب، صوبہ سرحد اور سوات کے علاوہ بلوچستان کے بھی بعض علاقوں میں چس خود و جھاڑی کی طرح اگتی ہے۔ جس طرح بازار میں یہ سنتے داموں فروخت ہوتی ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے یہاں یہ تی بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہے اور کتنی آسانی سے دستیاب ہے۔ ہمارے یہاں برسہا برس سے چس نقیروں اور ملنگوں میں بہت مقبول رہی ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ اسے خوب استعمال کرتے تھے اور جب وہ ملک کے بڑے بڑے مزاروں اور خانقاہوں کے ارد گرد اس کے نش میں دھت، اپنی سرخ آنکھیں لئے منڈلاتے رہتے تو سادہ لوح عوام انہیں خدار سیدہ مجدد سمجھ کر ان پر عقیدت کے پھول نچھاوار کیا کرتے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اپنے حلے اور کسی نہ کسی مشہور صوفی بزرگ کے مزار کے قریب کی وجہ سے سمجھدار لوگوں نے انہیں ہمیشہ نظر انداز کیا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ان ملنگوں کی اصلیت کا پول بھی کھلنے لگا ہے۔ اس لئے اب صورت حال میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ لوگوں نے دیکھنا شروع کر دیا ہے کہ چس کا زہر، اب پھیل کر ملنگوں اور نقیروں ہی تک محدود نہیں رہا۔ کچھ ان لوگوں کے توسط سے اور کچھ ان کے

انداز زندگی سے متاثر ہو کر چرس کی لعنت پھیل کر پہلے دیہاتوں تک پہنچی جہاں لوگ نبتابا
لاعلم ہیں۔ اس کے بعد شہری آبادی بھی اس کی لپیٹ میں آگئی۔

دوسری تمام قسم کی منشیات خواتین میں بھی مقبول ہیں لیکن صرف چرس ہے جسے
اب تک خواتین نے قول نہیں کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ چرس کو عموماً سگریٹ کی طرح پیا
جاتا ہے اور ہمارے یہاں سگریٹ کی شوقین خواتین کی تعداد اب بھی بہت کم ہے۔

مشیات کے خلاف اتنے شور و غل اور احتجاج کے باوجود بڑے افسوس کی بات
ہے کہ اب بھی ہمارے یہاں چرس کی غیر قانونی کاشت زور شور سے جاری ہے۔ اس کا
شبوت اخباروں میں آئے دن شائع ہونے والی وہ خبریں ہیں جو ہمیں اطلاع دیتی ہیں کہ
پولیس نے فلاں جگہ چھاپے مار کر اتنی بڑی مقدار میں چرس کپڑی۔ اس سے آپ اندازہ لگا
سکتے ہیں کہ چرس کی تجارت آج بھی کتنی سودمند ہو گی۔ چونکہ اس کی بڑی مقدار ملک سے
باہر اسکل کی جاتی ہے، اس لئے یہ تیجہ اخذ کرنا صحیح ہو گا کہ مغرب میں طرح طرح کی نئی قسم
کی مشیات کی مقبولیت کے باوجود اب بھی ہماری چرس کی مانگ وہاں بہت زیادہ ہے۔

ڈاکٹر سید حارون احمد ملک کے مایہ ناز ماہر نفیات ہیں اور مشیات کے خلاف
جناد میں ان کی خدمات گراں قدر ہیں۔ ان کا ڈاکٹر میں اس سے پہلے بھی کر چکا ہوں۔
چرس کے شکار مریضوں کے علاج کے سلسلے میں ان کی تحقیق خاصی دلچسپ ہے۔ ان کے
ایک مقابلے کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

”مختلف مزاروں اور جیل خانوں کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے
کہ یہ چرس پینے والوں کے مراکز ہیں۔ اسی تصور کے پیش نظر ایسی کئی دیوبھی اور شہری
علاقوں سے تعلق رکھنے والے تیس مردوں کا انتخاب کیا گیا جو چرس کے عادی مریض تھے۔
ان سے خوراک کے بارے میں پوچھا گیا تو مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئیں:
ان میں سے --- دس کا تعلق مزاروں سے تھا۔

---- چکا دیہاتوں سے۔

---- دس کا شہری علاقوں سے

---- چار کا جبل سے تھا۔

ان کی اوسط عمر چھتیس سال تھی۔ ان میں سے گیارہ شادی شدہ تھے۔ ان میں

سے چکی اولاد نہیں تھی۔ ان سب کی اوسطاً عرب جب وہ اس نشے کا شکار ہوئے، باسیں سال تھی۔ ان میں سے ہر ایک چودہ سال سے زیادہ مدت سے چس پی رہا تھا۔ ہر ایک، روزانہ تقریباً ساڑھے تین گرام چس پیا کرتا تھا۔

تقریباً سب ہی اسے چل میں بھر کر پیا کرتے تھے۔ اکثر پائچ چھ افراد مل کر پیا کرتے تھے، تہا کبھی نہیں۔

ان تمام لوگوں میں صرف دو ایسے تھے جو چس کو سگریٹ کے تمباکو میں ملا کر پیا کرتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ دن بھر میں کتنی گرام چس پیتے ہیں تو ان لوگوں نے جو بھم جوابات دیئے۔ ان سے یہ تیجا اخذ کیا گیا کہ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ وہ روزانہ کتنی چس پیتے ہیں۔

ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک سے زیادہ قسم کی منشیات استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ لوگ چس کے علاوہ خالص بھنگ اور انہیوں بھی استعمال کرتے تھے۔

یہاں یہ حقیقت قبل غور ہے کہ ان کی اکثریت ایسی تھی جس نے چس کے نئے کامزہ پہلی بار کسی نہ کسی آستانے میں یعنی کسی بزرگ کے مزار کے احاطے میں دیکھا۔ دس افراد کو اس کی لوت لگانے والے خود ان کے رشتہ دار اور قریبی دوست تھے۔ ان میں بہت کم ایسے تھے جو کسی انجانے پھیری والے یا کسی دوست کے شناسا کی عیاری کا شکار ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں ان سب کو اپنوں ہی نے بتا ہی کے راستے پر ڈالا۔“

اس سلسلے میں جیل خانے کے قیدیوں کے تاثرات بڑے واضح اور ثابت تھے۔

ان میں سے ہر ایک نے اس ذیل انسان کی تعریف کی جس نے جیل کی گھنی اور تکلیف دہ فضا سے انہیں وقتی فرار کا راستہ مفت دکھایا۔ یہ اور بات ہے کہ یہ بڑا ہی خطرناک راستہ تھا جس کا انہیں اس وقت بالکل احساس نہیں تھا جب مشکل حالات سے پریشان ہو کر وہ سہارے کے لئے ادھراً دھر ہاتھ مار رہے تھے۔

منشیات کے شکار لوگوں کے بیانات کے سلسلے میں ایک اور کڑی بڑی دلچسپ ہے جو شاید آپ کو کچھ عجیب لگے اور کسی حد تک چونکا دینے والی بھی۔ وہ یہ کہ مجھے ان میں ایک خاتون سے بھی واسطہ پڑا جو اس لعنت کا شکار ہیں۔ سندھ کے بعض اندر ورنی علاقوں میں عورتیں بھی تمباکونو شی کرتی ہیں وہ بیڑی بھی پیتی ہیں اور سگریٹ بھی۔ انہیں دیکھ کر جنوبی

ہند کے بہت سے علاقوں میں آگئے جہاں کی عورتیں عام طور پر سگار پیا کرتی ہیں۔ جس دیہاتی خاتون کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ایک بیوہ تھیں۔ انہوں نے اپنے ایک بھائی کو بھی اس خطرناک راستے پر لگا رکھا تھا۔

اب ایک بار پھر ڈاکٹر سید ہارون احمد کے تحقیقی مکالے کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

اس کے مطابق، کام کا جگہ کے سلسلے میں ہر ایک مریض کا رو یہ بڑا ثابت تھا۔ اسکے مضر اثرات کا یعنی نشہ بازی کے نتائج اس وقت واضح طور پر نظر آئے جب کئی مریض شدید طور پر کھانسی میں بستا ہوئے۔ ایک آدھ کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ خون تھونکنے لگے تھے۔ چند ایسے بھی تھے جن پر وقت فوت قائم چونی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اپنی حماقت کے چند ایک کو قدرت کی طرف سے بھی بڑی سخت مار پڑی تھی۔ کم از کم ان کا یہی خیال تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ منیا ایسے انت کی وجہ سے ان کی جنسی قوت ختم ہو چکی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی باپ نہیں بن سکتا تھا۔

میں اب تک یہ واضح کر چکا ہوں کہ کبھی چس کے نشے کو بے ضرر سمجھا جاتا تھا۔

بعد کوئی بھی بے حد خطرناک ثابت ہوا۔ افیون کی طرح اس کے پودے کی بھی کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایشیا یا میں اس کی کاشت شروع ہوئی لیکن قدیم مغربی دستاویزیات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دو ہزار سال سو سال قبل مسح میں بھی لوگ اس سے واقف تھے۔

امریکہ میں اسکی کاشت ۷۰۰۰ءے کے لگ بھگ شروع ہوئی۔ اس زمانے میں اس کے رویشے سے رسیاں بانٹی جاتی تھیں۔ اس کا بھی تاریخی ثبوت ہے کہ ورجینیا کی ریاست میں اس کی کاشت شروع ہوئی۔ پہلے امریکی صدر جارج واشنگٹن کے فارم پر اس کی کاشت برسوں تک ہوتی رہی لیکن بعد کے دور میں جب کپاس کی کاشت شروع ہوئی تو اس کے پودوں کی اہمیت کم ہو گئی۔ یہ دشنا می تو پاکستان کے سرکھی تھی کہ اس نے اپنی سر زمین پر چس اگا کر اس کے مختلف روپ امریکہ اور یورپ کو ناجائز طور پر برآمد کئے اور وہاں لاکھوں کروڑوں معصوموں کو اس کا شکار بنایا۔

افیون

مشرقی ممالک کے لئے عموماً اور برصغیر کے لئے افیون کا نام اور اس کا نشہ کوئی نئی چیزیں نہیں ہیں۔ جو پوچھئے تو اسے ایک طرح سے تمام منشیات کی جڑ سمجھئے۔

پاکستان کے شمالی علاقوں میں پوست کی کاشت زمانے سے ہو رہی ہے۔ اس کے پودے کے رس سے افیون حاصل کی جاتی ہے۔ یہاں یہ واضح کر دوں کہ پہلے صرف جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں خششاش اور پوست کا پودا پیدا ہوتا تھا لیکن اسے تمام منشیات کی جڑ سمجھ کر، بیرونی منڈیوں میں اس سے تیار کئے جانے والی منشیات کی بڑھتی ہوئی مانگ کو دیکھتے ہوئے بعض دوسرے گرم ملکوں نے بھی اس کی کاشت کے کامیاب تجربے کئے۔ ان تجربوں نے ثابت کر دیا کہ پوست کی کاشت دنیا کے ایک بہت بڑے خطہ میں ممکن ہے اس کے لئے مناسب فضا، خطہ استوار کے ساث درجے شمال اور اتنے ہی درجے جنوب کے علاقوں میں ملتی ہے۔ اس لئے وہ علاقے سازگار سمجھے جاتے ہیں۔

چرس کے پودے کے برلنکس پوست کا پودا خود رونہیں ہوتا۔ اس سے افیون نکالنے کے لئے بطور خاص احتیاط سے اگانا پڑتا ہے۔ ایک خاص مدت کے بعد اس کے پودے کو تین جگہ سے ایک خاص انداز میں کاٹا جاتا ہے۔ بینیں سے افیون جمع کی جاتی ہے۔

علاج معالجے کے لئے صدیوں سے افیون کا استعمال ہوتا رہا ہے، خصوصاً درد کی شدت میں کمی کے لئے۔ ڈاکٹر درد کی شدت میں کمی کے لئے اکثر مارفین استعمال کرتے ہیں۔ اس مشہور دوا میں بھی افیون ہوتی ہے۔ اس دوا کا جب بہت زیادہ استعمال ہونے لگا تو لوگ چونکے۔ پھر یہ بھی پتہ چلا کہ لوگ اسے غلط طور پر، صرف نشہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں تو اس پر پابندی لگائی گئی۔ اب ڈاکٹری رہنمائی کے بغیر مارفین کا استعمال غیر قانونی ہے۔

افیون کو دنیا بھر میں پھیلانے میں انگریزوں کا بڑا بھتھ ہے۔ اٹھار ہوئی صدی میں جب نئی تجارتی منڈیوں کی تلاش میں انگریز تاجر چین پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ وہاں افیون کی آسانی سے کھپت ہو سکتی ہے۔ یہ افیون انہیں برصغیر کے کھیتوں سے منہ مانگے دام

کے عوض مل سکتی تھی۔ چنانچہ اس طرح برصغیر کی افیون چینی منڈیوں میں دھڑلے سے فروخت ہونے لگی۔ وہاں یہ سلسہ برہما بریس تک جاری رہا۔ جب چین کی بہت بڑی آبادی اس کے نشے کی عادی ہو گئی تو وہاں کی حکومت خواب خرگوش سے جاگ اٹھی اور اس نے اس کی درآمد پر پابندی لگانے کی کوشش شروع کر دی لیکن یہ عمل اتنا آسان نہیں تھا۔ آخر کار ایک وقت ایسا بھی آیا کہ چینی حکومت کو لاکھوں کلوافیون تباہ کرنا پڑی۔

اس کا یہ اقدام بھلا انگریزوں کو کیسے بھاتا؟ ان کی کروں پاؤ نہ کی تجارت پر چینی حکومت کا رو یہ کاری ضرب لگا چکا تھا۔ اس کی سزا چینیوں کو دینا ضروری سمجھا گیا اور اس طرح ۱۸۳۲ء میں انگریزوں نے چین پر حملہ کر دیا اور اپنی طاقت سے وہاں کی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ لامحود مقدار کی افیون ان سے خریدے۔

یہ سلسہ پہلی جگہ عظیم تک جاری رہا۔ اس کے بعد اسکی تجارت پر قانونی پابندی لگادی گئی۔ اس طرح وہاں اس کا استعمال آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو گیا۔

میں نے یہ پس منظر ذرا تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کیونکہ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جب بھی مالی فائدے کا مسئلہ اٹھا، مغربی ممالک نے مشرق کے عوام کو ہمیشہ دواؤں پر لگایا۔ برصغیر میں بھی انگریزوں کا کردار اس سلسلے میں کچھ مختلف نہیں رہا۔ جب تک ان کی ہندوستان پر حکومت رہی انہوں نے لائنس دے کر افیون کی کاشت اور پھر اس کی تجارت کی اجازت دے دی تاکہ وہ اس کے عوض لاکھوں روپے تیکس کے طور پر وصول کر سکیں۔ کہا یہ گیا کہ افیون کی طب میں بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے یہ اجازت دی گئی ہے ڈاکٹروں کے ساتھ ساتھ اگر تھوڑے انبوñی بھی اس سے مستفید ہوں تو اس میں کیا مضافات ہے؟ اس قسم کی تاویلیں دے کر انہوں نے اپنے اقدام کو جائز قرار دیا۔

یہاں یہ حقیقت اہم ہے کہ جب ہم آزاد ہوئے اور پاکستان قائم ہوا تو ہمارے علاقوں میں افیون کی کاشت برائے نام ہوا کرتی تھی۔ چونکہ افیون کا نشہ کرنے والوں کو اس کی ضرورت پڑ رہی تھی اور ہندوستان سے افیون حاصل کرنے کے لئے زرمبادلہ کی ضرورت تھی اس لئے اس زمانے کی حکومت نے صوبہ سرحد میں ایسے لوگوں کو لائنس دیئے جو افیون کی کاشت اور سرکاری ذریعہ سے اس کی فروخت میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس طرح

یہاں دوبارہ افیون کی کاشت شروع ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی کاشت کاروں کو اس کی تجارت کی اجازت نہیں دی گئی۔ وہ جتنی افیون بھی پیدا کرتے، حکومت سب کی سب خریدنے لگی اور اسے سرکاری دوکانوں کے ذریعہ پہچنا شروع کیا تاکہ نیکس کی چوری نہ ہو سکے۔

یہ سلسلہ ۱۹۶۰ء تک جاری رہا۔ لیکن اس کے فوراً بعد بین الاقوامی اسمگلروں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی کیونکہ بہت سی خطرناک منشیات کی ماں افیون ہی تھی۔ جب صورت حال اس طرح بدلتی تو یہاں یک اس کی مانگ بھی بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی غیر قانونی کاشت میں بھی بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔ یہ غیر قانونی افیون یورپ کے بعض ملکوں کو سمجھ ہونے لگی جہاں یہ ہیروئن کا روپ دھار کر امریکی سرحدوں تک جا پہنچی۔ دس سال کے اندر اندر یعنی ۱۹۷۰ء کے بعد سے یہ پاکستان کے علاوہ سے یورپی ملکوں اور امریکہ کے لئے ایک خطرناک مسئلہ بن گئی ہے۔

ہیروئنی منڈپوں میں اسکی مقبولیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس لعنت نے پاکستانیوں کو بخش دیا۔ ہمارے سرکاری حلقوں کی رو سے اسی دور میں ہمارے یہاں بھی افیون کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ گئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر افیون ایک بڑی لعنت ہے تو حکومت یا حکومتیں اس کی کاشت پر مکمل پابندی کیوں نہیں لگادیتیں، ایسا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ افیون ہی سے مارفین حاصل کی جاتی ہے جس کو علاج معاملے میں بہت استعمال کیا جاتا ہے۔ درد میں کی کے لئے اسے اکثر سمجھا جاتا ہے۔ اسے بھی نشے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ حالیہ تحقیق کی رو سے مارفین کی لدت بھی بہت لوگوں کو پڑ گئی ہے۔ ان میں ڈاکٹر بھی شامل ہیں کیونکہ ان کے لئے اسے حاصل کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ مارفین کی شاذ و نادر ہی ناجائز طریقوں پر خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اسی لئے دو خانوں اور بڑے بڑے ہسپتا لوں سے اس کی چوری عام ہو گئی ہے۔

بہت سے ملکوں میں افیون اور مارفین دونوں کا شمار خطرناک دواویں میں ہوتا ہے۔ اس لئے افیون کا عام استعمال زیادہ تر اب ان ملکوں میں ہونے لگا ہے جہاں اس کی کاشت ہوتی ہے۔ چونکہ اس سے حکومت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اس لئے ظاہر مخالفت کے

با وجود اکثر حکومتیں اس کی کاشت پر پابندی نہیں لگاتی۔

اس سے پہلے کہ میں افیون سے حاصل کی جانے والی سب سے خطرناک دوا کے بارے میں کچھ عرض کروں، مختصرًا یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کا استعمال کرنے والے پر اسکے اثرات کیا ہوتے ہیں۔

افیون کھائی بھی جاتی ہے اور دھوئیں کی صورت میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔

جب کوئی انسان اس کا استعمال شروع کر دے تو وہ بہت جلد فسیاقی طور پر اس کا غلام ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا ذہن اور جسم بھی اس کے تالع ہو جاتے ہیں۔ اس کا نشہ عموماً تین سے چھ گھنٹے تک رہتا ہے۔

افیون کی خواراک میں اضافہ کر دیا جائے تو مریض کو سانس لینے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات تو اس کی سانس اکھڑنے لگتی ہے اور تنفس کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب اس پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں اور پھر اسی حالت میں وہ مر بھی سکتا ہے۔

ابتداء میں تو سرور کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑنے لگتی ہیں اور اکثر مبتلی بھی ہوتی ہے افیون کے عادی مریض کو جب اس کا مقررہ کوئی نہ ملے تو اس کی حالت دیکھنے کی ہوتی ہے۔ بار بار اس کی آنکھوں میں پانی آتا ہے۔ پسینہ بھی بڑی فراخ دلی سے آتا ہے۔ ہاتھ پیر میں اپنی ہدایت کا سامان ہوتا ہے اور بات بے بات پر وہ چونک پڑتا ہے اور بری طرح سے خائف رہنے لگتا ہے۔ ان حالات میں پریشان ہو کر وہ بغیر کسی تاخیر کے افیون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ وہ کرب اور بخوبی کے اس عذاب سے چھکارہ حاصل کر سکے۔

پاکستان کے نقطہ نظر سے افیون سے حاصل کی جانے والی منیات میں سب سے اہم ہیر دن ہے۔ یقیناً تو ہمارے خطے میں جونشہ آور دو اسپ سے زیادہ استعمال ہو رہی ہے وہ ہیر دن ہی ہے۔ یہ قدرتی حالت میں نہیں پائی جاتی۔ اسے لیبارٹریز میں یعنی چھوٹی چھوٹی تجربہ گاہوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی تیاری کے لئے بنیادی چیز پوست ہے، وہی پوست جس سے افیون بھی حاصل کی جاتی ہے میں عرض کر رہی چکا ہوں کہ ہمارے شماں علاقوں میں پوست کی بہت کاشت ہوتی ہے۔ وہیں سے ہیر دن کی لعنت کی بھی ابتداء ہوتی ہے۔

ہیروئن

پاکستان چرس کے بعد جس سب سے بڑی لعنت کا شکار ہوا ہے وہ ہیروئن کی لیگار ہے۔ بعض پڑوسی ملکوں میں اسے ”براڈن شوگر“، یعنی بھوری شکر بھی کہا جاتا ہے اور اسی نام سے عموماً وہاں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اسے بہت زیادہ خطرناک سمجھے جانے کی اہم وجہ یہ ہے کہ پوست سے حاصل کی جانے والی دوسری تمام منشیات کے مقابلے میں ہیروئن اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ اس کی عادت انسان کو تیزی سے پڑتی ہے اور یہ ظالم دوا انسانی ذہن اور جسم پر بہت جلد قابض ہو کر انسان کو ذہنی طور پر بالکل بے کار کر دیتی ہے، مفلون کرتی ہے۔ اسی لئے ہیروئن کو آج کے دور کی آج کی دنیا کی سب سے بڑی لعنت سمجھا جاتا ہے۔

اس کی دریافت کیسے ہوئی اور اسے کس طرح مقبولیت حاصل ہوئی یہ بڑی بصیرت افروز تکلیف دے کہانی ہے۔ یہ ۱۸۹۸ء کی بات ہے۔ مقام ہے لندن کا سینٹ میریز ہسپتال۔ (St Marys Hospital)۔ وہاں مارفین کے شکنچے میں گرفتار بہت سے مریض زیر علاج تھے۔ ان میں سے اکثر کی حالت سدھنہیں رہی تھیں۔ ایسے میں ایک ذہین ڈاکٹر نے ایک مریض کو ایک نئی دوادی۔ اسے نبٹا محفوظ سمجھ کر استعمال کیا گیا۔ اسے عام انسانوں کی بقیتی سمجھتے کہ اس نئی دوادے اس مریض کو فائدہ ہوا۔ یہ دو جسے اس زمانے میں اکسیر سمجھا گیا ہیروئن تھی بعض دوسرے مریضوں کو بھی ان خطرناک لٹ سے نجات دلانے میں یہ بڑی مفید ثابت ہوئی۔

جب مارفین کے عادی مریضوں کو ہیروئن کی پی تلی خوارک دی جانے لگی تو انہوں نے بڑی خوشی سے مارفین کو خیر باد کہہ دیا، اسے بھول کر ہیروئن کو خنده پیشانی سے فوراً قبول کر لیا۔

اس بظاہر مخصوص اور بے ضرر ابتدا کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج منشیات کی فہرست میں ہیروئن کو دنیا کا سب سے بڑا سب سے تکلیف دہ عذاب قرار دیا گیا ہے۔

ہیروئن سفید سفوف کی شکل میں ملتی ہے۔ اس کا استعمال، مارفین سے کئی گناہ زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ ایک بار کسی مخصوص کو اس کا مزہ چکھا دیا جائے تو نادانستہ طور

پر، غیر ارادی طور پر اسکا جسم بہت جلاس کے لئے تڑپنے لگتا ہے۔ عام طور پر، غیر ارادی طور پر جسم میں داخل کیا جاتا تھا لیکن اس کے سفوف کو ایک خاص انداز میں سو گھا بھی جاتا ہے۔ عموماً ایسی صورت میں اسے ہلکی سی گرمی پہنچا کر، اسے پکھلا کر اسکے دھونکیں کو سو گھا جاتا ہے۔

عموماً ہیر و ن کو اس کی تیزی کی وجہ سے اس کی خالص شکل میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ بعض دوسرا چیزوں کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ملاوٹ کی وجہ سے اسکی تیزی تو قدرے کم ہو جاتی ہے لیکن انسانی جسم اور ذہن پر اس کا اثر بہت زیادہ گہرا ہو جاتا ہے جسے عام طور پر نشہ باز پسند کرتے ہیں۔ لیکن اس عمل میں ایک بڑا خطرہ ہے وہ یہ کہ ہیر و ن کی ذرا سی اونچی نجیج جان کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔ اگر یہ ملاوٹ والی ہیر و ن خون میں داخل ہو جائے تو بعض صورتوں میں یہ مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ قدرے خطرناک زہروں سے بھی انسان کی جان بچانے کا کام لیا ہے۔ ہیر و ن کی بھی چند ثابت خصوصیات ہیں اس لئے درد کی شدت میں کمی کے لئے ہیر و ن اور اس سے ملنی جلتی ایک اور دو ایتھیدین (Pethidine) کوڈاکٹر بعض صورتوں میں استعمال کرتے ہیں خصوصاً دل کا شدید دورہ پڑنے یا کینسر کے مریضوں کو آرام پہنچانے کے لئے۔

اس ثابت تاثیر کے باوجود اونچی پوچھتے تو ہیر و ن کو آپ ایک طرح کا، اپنی نوعیت کا بڑا ہی مہلک زہر سمجھتے۔ چونکہ اس کی وجہ سے نیند کا غلبہ طاری ہوتا ہے، اس لئے اس کی زیادہ سے زیادہ خوراک کے بارے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خوراک انسان کی قوت برداشت پر منحصر ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی جسم جتنا برداشت کر سکتا ہے اس سے زیادہ اسے ہیر و ن کی مقدار مل جائے تو سانس میں بڑی تیزی سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں اس بد بخت کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اس کی خوراک کی زیادتی کے بارے میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ کم مقدار کے اثرات بھی کیسے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ کم مقدار میں استعمال ہو تو اسکی وجہ سے ہاضم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔ اس کے سب سے خطرناک اثرات یہ ہوتے ہیں کہ یہ بڑی تیزی

سے انسان کے اعصابی نظام کا ایک حصہ بن جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت جلد مریض کا ذہن متاثر ہوتا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ فرار کی خاطر، زیادہ سے زیادہ سرور کی خاطر انسان اس کی خوراک میں بندرنج، آہستہ آہستہ اضافہ کرنے لگتا ہے۔ انسان کا جسم اس تبدیلی کو بڑی خوشی سے قبول کر لیتا ہے جس کے نتیجے میں مریض کو پہنچی نہیں چلتا کہ اس کی قوت برداشت اب ختم ہو چکی ہے۔ اس کی اطلاع تو اس کے لواحقین کو مریض کے مرنے کے بعد ہوتی ہے کہ اس بد نصیب نے اپنے ہی ہاتھوں موت کو دعوت دی۔ اور اس طرح خودکشی کی، جو ہمارے یہاں حرام ہے۔

اس کے استعمال کے سلسلے میں ایک اور پہلو قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ ہیر و نن کا انجکشن صرف ایک بار لینے سے انسان کو اس کی لٹ نہیں پڑ جاتی۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کتنے انجکشن، کتنی خوراکیں محفوظ ہیں۔ یعنی کتنے انجکشنوں کے بعد انسان ہیر و نن کے شکنے میں مکمل طور پر آ جاتا ہے، یہ بات کوئی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے زہر لیے اثرات کب جلوہ دکھانا شروع کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر درمیان میں یا کیا اس سے چھکارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے بڑی واضح تکلیف دہ علامتیں بیدا ہوتی ہیں۔ بعض کو یوں لگتا ہے جیسے انہیں بڑا ہی شدید قدم کا فلو ہو گیا ہے۔ بعض طویل مدت کے لئے متنی، تے اور مرور کے ساتھ ساتھ اپنٹھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے میں نے دیکھا ہے جب کوئی یا مریض، امریکہ میں مندرجہ بالا علامتوں کے ساتھ کسی ڈاکٹر کے پاس یا ہپتال جاتا ہے تو اس کا مکمل علاج شروع کرنے سے پہلے وہ اس کا معاشر اس طرح کرتے ہیں کہ انہیں پہنچ چل جائے کہ کہیں یہ نیا مریض ہیر و نن کے چکر میں تو نہیں ہے۔

آخری بڑی خوراک کے بعد، آٹھ سے بارہ گھنٹے کے اندر یا اس کے فوراً بعد مریض میں بہت سی پریشان کن اور تکلیف دہ علامتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ مثلاً اس کی ناک بہنے لگتی ہے، پینیہ شدت سے آتا ہے۔ بے تھاشا چھینکیں آتی ہیں۔ ساتھ ہی متلی ہوتی ہے اور پورا جسم بری سے درد کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب ان علامتوں کا اس پر حملہ ہوتا ہے تو ان کے ساتھ ہی اسے ہر طرح کے پریشان کن وسو سے ستانے لگتے ہیں۔ اگر مریض خاصاً پرانا پاپی ہے اور ایک عرصے سے اسے ہیر و نن کی لٹ رہی ہے اور اس کے بعد یہ علامتیں ابھری

ہیں تو سمجھئے اس پر بڑا شدید حملہ ہوا ہے یا ہونے والا ہے۔ ان علامتوں کو خطرے کی گھنٹی سمجھئے۔

میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ پاکستان میں ہیر وَئِن کے نزول اور بہت حد تک اسکے استعمال میں اضافے کا تعلق افغانستان کی خانہ جنگی ہے۔ ہمارے عذاب کے اضافے میں بڑی حد تک ایران کے اسلامی انقلاب نے بھی خاصاً کام کیا۔ ہیر وَئِن کی اسمگنگ کے لئے اسے یورپ اور امریکہ کے سودمند منڈیوں تک پہنچانے کے لئے ابتداء میں اس کی غیر قانونی تجارت ایران اور افغانستان کے راستوں سے ہوا کرتی تھی۔ افغانستان میں رو سیوں کے قبضے کے بعد تیزی سے خانہ جنگی پھیل گئی۔ اسلامی انقلاب کے بعد ایران نے ایسے سخت قوانین نافذ کئے کہ انکی رو سے نشیات کی تجارت کرنے والوں کو دہاکی عدالتون نے آنا فاماً موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ ان واقعات کی وجہ سے دونوں ملوث ملکوں کے ذریعے اسمگنگ کے تمام راستے بند ہو گئے۔

اس کے بعد ظاہر ہے غیر قانونی تجارت کا سارا زور پاکستان پر پڑا۔ چونکہ ہمارے شمال مغربی علاقوں میں افیون موجود تھی، پوسٹ کی کاشت دھڑلے سے ہو رہی تھی، اس لعنت نے پاکستان کے شمالی سرحدی علاقوں کو مرکز کے طور پر اپنا مسکن بنالیا۔ اس کی تجارت کو دہاں سازگار ماحول ملا۔ سرحدوں پر بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے صوبہ سرحد میں افیون کی بہت بڑی مقدار پہلے سے مقید تھی۔ ایک سرکاری تجیینے کی رو سے یہ مقدار کئی سو ٹن تھی۔ اڑوں پڑوں کے غیر لیقینی حالات کی وجہ سے اس کی غیر ملکی منڈیاں محدود ہو گئی تھیں۔ ایک طرح سے تو یہ منڈیاں ختم ہوئی گئی تھیں۔ ان اعداد و شمار سے آپ اندازہ لگائیے کہ دہاں افیون کی تجارت کے سلسلے میں حالات کتنے حوصلہ شکن تھے۔

ایک زمانے میں افیون کی قیمت فروخت دو ہزار روپے فی کلوگرام تھی۔ ایران اور افغانستان میں گڑ بڑ کی وجہ سے نئے حالات میں یہ قیمت گھٹ کر صرف چھ سو روپے فی کلوگرام سے بھی کم ہو گئی۔

ان ماہیں کن حالات میں افیون کے تاجروں کے سامنے دو بڑے مسائل آئے وہ اتنی زیادہ افیون کے ذخیروں سے نہ آسانی سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے تھے اور نہ کسی نہ کسی طرح فروخت کر کے مناسب رقم ہی وصول کر سکتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اندر وہی

اور بیرونی دونوں منڈیاں ان کے لئے بیکار ہو گئی تھیں آخروں بہت سوچ بچار کے بعد انہیں ایک ہی راستہ نظر آیا۔ وہ یہ کہ اپنی افیون کو کسی طرح ہیر و نن کاروپ دے کر اسے مغربی ممالک تک پہنچایا جائے اور وہاں سے، اسکی مقبولیت اور کھپت کی روشنی میں اسکی منہ مانگے دام وصول کئے جائیں۔ وہاں کیا ہو رہا تھا، کس طرح امریکہ میں سڑکوں اور گلیوں میں، یونیورسٹیوں، سکولوں اور سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں اس کی مانگ کتنی تیزی سے بڑھ رہی تھی اور وہاں قیمت فروخت کیا تھی، یہ ساری معلومات ان کے لئے بڑی حوصلہ افزاتھیں اور خطرہ مول لینے کے لائق تھیں۔

اس غور و فکر کے نتیجے میں بہت جلد ہمارے یہاں افیون کو ہیر و نن میں بدلتے والے چھوٹے چھوٹے کارخانے، چھوٹی چھوٹی تجربے گاہیں عالم وجود میں آئیں۔ دراصل انہیں کارخانے کہنا زیادتی ہو گی۔ ان کی حیثیت بہت چھوٹی سی تجربہ گاہیوں سے زیادہ نہیں ہوتی، جو گھر کے ایک کمرے میں قائم کی جاسکتی ہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ پاکستان نارکوٹ کنٹرول بورڈ کی تحقیق کی رو سے ایک کمرے کی تجربہ گاہ کا حدود کے اندر آسانی سے آپ جتنی چاہے ہیر و نن حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی تاجر آٹھ دس ہزار روپے خرچ کر کے یہاں سے ایک کلوگرام ہیر و نن خرید سکتا ہے۔ اس کے بعد رہی تجارت وہاں سے ذرا ہی دور آ کر ملک کی کسی بھی پوشیدہ، غیر قانونی منڈیوں میں آنا فانا پندرہ سے سول ہزار روپے کما سکتا ہے اس کی تجارت میں پیسوں کے ریل پیل اور اس کی مقناطیسیت کا چکر ہی یہ ہے کہ کسی بھی ضرورت مند کو اس میں آسانی سے ملوث کیا جاسکتا ہے یا کم از کم اسے ترغیب دی جاسکتی ہے۔ میں نے لندن کے ایک بڑے جیل میں بہت سے تعلیم یافتہ امیر گھرانوں کے مردوں اور عورتوں کو سزا میں کاشتے دیکھا تھا وہ سب اسی ترغیب کا شکار تھے۔ ان کی پل بھر کی غفلت، تھوڑی سی لالج نے ان کی عزت خاک میں ملا دی، انکے خاندان اور ملک کو بدنام کیا اور ان لوگوں نے اپنا مستقبل خود اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کر لیا۔

پاکستان میں دو طرح کی ہیر و نن بن رہی ہے۔ ایک تو وہ جو پانی میں تخلیل نہیں ہوتی۔ یعنی اسے پانی میں گھول کرنے میں پیا جاسکتا۔ اسے استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے

کہ جلا کر اس کی دھونی یا بھرتی ہوئی بھاپ کو سوچنا جاتا ہے۔ دوسری طرح کی ہیر و نہن وہ ہے جو پانی میں آسانی سے گھل جاتی ہے۔ اس طرح اسے تخلیل کر کے اس کے انجکشن لئے جاتے ہیں۔ دوسری طرح کی انجکشن لگنے والی ہیر و نہن کی بیرونی دنیا میں عموماً اور یورپ اور امریکہ میں خصوصاً بہت زیادہ مانگ ہے۔ اس لئے اندر وی فنی اور بیرونی منڈیوں میں یہ نسبتاً زیادہ قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔ اس کی قیمت فروخت تقریباً تیس ہزار روپے فنی کلوگرام ہے۔ یہ اسی سے پچانوے فیصد تک ملاوٹ سے پاک ہوتی ہے۔ اس لئے بیرونی دنیا میں اس کی قیمت فروخت اب سے ستر سے نوے ہزار روپے تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے یہ قیمت فنی کلوگرام ہیر و نہن کے لئے بتائی ہے!

ہمارے شماں علاقوں میں ہیر و نہن بنانے والی چھوٹی چھوٹی بے شمار تجربہ گاہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آسانی سے ہر ہفتے تقریباً ساٹھ کلوگرام ہیر و نہن تیار کر سکتی ہیں۔ لیکن خدا جانے کیوں یہ فی الحال ایک سے تیس کلوگرام ہیر و نہن تیار کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ امریکی منڈی میں اب کوکین کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ اس نشا اور خطرناک دوا کا میں آگے چل کر ذکر کروں گا۔

ان تجربہ گاہوں کو چلانے اور اچھی معیار کی ہیر و نہن تیار کرنے کے لئے اعلیٰ سامنے ڈگریوں کی ضرورت نہیں ہوتی، مخصوص جدید ترین سامنے آلات کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ کام کسی بھی کمرے میں معمولی سوچ بوجھ رکھنے والا انسان آسانی سے کر سکتا ہے۔ ایسے آلے جو عام طور پر سکولوں اور کالجوں کی سامنے تجربہ گاہوں میں استعمال ہوتے ہیں ان سے ہیر و نہن بنانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً چند ٹیسٹ ٹوبز (Test tubes)، قیف یعنی (Funnels)، بیکریز (Beakers) وغیرہ۔ ان میں سے سکولوں میں سامنے کی تعلیم حاصل کرنے والے بچے بھی واقف ہوتے ہیں۔

دولت کی فراوانی ہو، زندگی کی رفتار بہت تیز ہو اور بہت سے ناموفق سماجی حالات کی وجہ سے خاندانوں کا شیر زاہ بکھر رہا ہو تو عموماً عام قسم کی منشیات انسانوں کو ان کی ذہنی اچھنوں سے وقت طور پر ہی کیوں نہ ہو، نجات دلادیتی ہے۔ اس لئے امریکہ میں طاقتور سے طاقتور منشیات کی جگتوں ہر وقت رہتی ہے۔ اس جگتوں کی وجہ سے وہاں کے نوجوان کوکین جیسی بے حد خطرناک لعنت کے چکل میں پھنسے ہیں۔ اب انہوں نے کوکین سے

زیادہ طاقتور دواؤ ہونڈ نکالی ہے جو انہیں اس سے زیادہ نشہ دیتی ہے۔ اس کا نام انہوں نے کریک رکھا ہے۔ اسے تیار کرنے کے لئے وہ ایک خاص تابع سے کوئین کو ہیر و ن کے ساتھ ملاتے ہیں اور پھر سگریٹ کی طرح پیتے ہیں۔ اس کے استعمال کی وجہ سے دونوں ہی طرح کی خطرناک منیات کے لئے انسان کی اشتہا اور تپ بڑھ جاتی ہے۔ ہمارے یہاں عموماً ہیر و ن کو سگریٹ کے تماکو میں ملا کر پیا جاتا ہے۔ اس کے بر عکس مغرب میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً اس کے انجشن لئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا زبردست راست خون میں شامل ہو جاتا ہے اور جلد نشہ پیدا کرتا ہے۔

یہ انسانیت کی بڑی بد قسمتی ہے کہ ہیر و ن اب فیشن کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ یہ اب تعلیم یافتہ اور پیشہ ور دانشوروں کے لئے فیشن کا روپ اختیار کر گئی ہے۔ اسی لئے یہ لوگ، اپنے آپ کو روشن خیال ظاہر کرنے کے لئے اسے فخر یہ استعمال کرتے ہیں۔ حق پوچھئے تو اس کا استعمال ایک طرح کا متعددی مرض ہے۔ شروع شروع میں لوگ اسے اپنے جذبہ تحسیں کی تسلی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پھر یہ ایک یہجان انگیز تجربہ بن کر ان کی زندگی کا ایک اہم جزو بن جاتی ہے اور یہ لت اس وقت تک ان کا دامن نہیں چھوڑتی جب تک وہ انہیں ان کی قبروں تک نہیں پہنچا دیتی۔

ہیر و ن کتنی تیزی سے اور کتنی قوت سے، لاعلم معصوم انسانوں کو اپنا شکار بناتی ہے، یہ جانے کے لئے مندرجہ ذیل تفصیلات ملاحظہ فرمائیے ان اعداد و شمار کا تعلق پاکستان سے ہے۔

۔۔۔ ۱۹۷۹ء میں ہمارے یہاں ہیر و ن کا نشہ کرنے والوں کی تعداد صرف تھی۔

۔۔۔ ۱۹۸۹ء کے آخر تک ایک سرکاری ذریعے کے مطابق سے تیس لاکھ معصوم

اسکا شکار ہیں۔

۔۔۔ ہیر و ن کے نشے کے عادی افراد میں، اکثر ایسے نوجوان ہیں جن کی عمر میں چھپیں سے تیس سال ہے۔

۔۔۔ ہر پندرہ منٹ کے بعد پاکستان میں ہیر و ن کے عادی مریضوں میں ایک کا اضافہ ہوتا ہے۔

۔۔۔ پاکستان سے سمجھ ہونے والی ہیر و ن، اپنی مقبولیت کی رو سے، تمام نشہ

آور اشیاء میں اول نمبر پر ہے۔

~~ اس کے مریض کو آسانی سے پچانا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی بعض علامات بڑی واضح ہوتی ہیں۔ مثلاً۔

~~ اس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔

~~ اس کا جسم کمزور ہوتا جاتا ہے۔

~~ اس کے جسم پر خراشوں اور چوٹ کے نشان ہوتے ہیں، جیسے وہ چلتے چلتے کئی بار گر کر زخمی ہو گیا۔

~~ اس کی سانس بد بودار ہوتی ہے، اتنی کر خوبصوردار پان بھی اس بد بودا نہیں سکتا۔

~~ دن میں کئی بار اس پر شدید غصے کے دورے پڑتے ہیں۔

~~ اس کا مریض اپنے فرائض منصبی سے ہر وقت فرار کی تلاش میں رہتا ہے۔

آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہیر وَن پاکستان اور مغربی ممالک، دونوں میں بہت مقبول رہی ہے۔ موجودہ صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو چند لمحے پر متانج اکھرتے ہیں۔ اپنے پچھلے دورے میں، میں نے جو کچھ امریکہ اور کینیڈا میں دیکھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب میں، پچھلے دس برس میں پاکستان کے مقابلے میں ہیر وَن کی مانگ کچھ زیادہ نہیں بڑھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے استعمال میں یہاں کچھ زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔

ہمارے ہاں معاملہ بالکل مختلف ہے۔ چونکہ پاکستان میں یہ نئی طرز کی بہترین نسل آور دوا ہے۔ اس لئے یہاں سارا زور ہیر وَن پر ہے جس کی وجہ سے یہاں نشیات کا مسئلہ روز بروز زیادہ سے زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔

ان حقائق کے باوجود مغرب میں نشیات کا مسئلہ ختم نہیں ہوا ایسا کی شدت میں کمی نہیں آئی۔ وہاں کے ماہرین اور دانشور، جو اپنے ملک کو نشیات سے پاک خط بنا نے کے لئے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں، وہ سب بعض دوسری وجوہات سے پریشان ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں وہاں اس کی تجارت کرنے والا طبقاب ہیر وَن کو مختلف کیمیائی طریقوں سے مصافا کر کے اس کی نت نئی قسمیں ایجاد کر رہا ہے۔ ان تجربوں کے

ساتھ ساتھ اس کے استعمال کرنے کے طریقوں میں بھی ردو بدل کیا جا رہا ہے، تئے طریقے راجح کئے جا رہے ہیں اور انہیں نوجوانوں میں مقبول بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ ساری قسمیں، یہ ساری ایجادات اور استعمال کرنے کے تمام طریقے بہت زیادہ خطرناک ہیں جس کی وجہ سے ان کا سد باب بہت مشکل ہو گیا ہے اور علاج کا طریقہ مشکل بھی اور پیچیدہ بھی۔

مثلاً وہاں ہیروئن کی ایک نئی اور طاقتور قسم ملتی ہے جس کا نام بلکہ ٹار (Black Tar)۔ ایک دوسرا قسم ہے جو چاندا وہائٹ (China White) کہلاتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں آلامتوں سے ننانوے فیصلہ پاک ہیں۔ دوسرا لفظوں میں جس قسم کی ہیروئن ہمارے یہاں استعمال ہوتی ہے، اسکے مقابلے میں ہیروئن کی یہ امریکی قسمیں بہت زیادہ طاقتور ہوتی ہیں، اس لئے بہت زیادہ خطرناک بھی۔

آج کل مغربی ممالک میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً زیادہ مقدار میں ہیروئن استعمال کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ مر رہے ہیں۔ ان کی اکثریت بلکہ ٹار اور چاندا وہائٹ ہی استعمال کر کے جہنم رسید ہو رہی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہر ایک انجشن ہی کے ذریعہ نشر کرتے ہیں۔

جب مرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے دن رات منیات کے خلاف ہم چلا کر امریکی عوام کو ان نئی قسموں کی ہیروئن کے بارے میں ڈرانا شروع کیا تو اکثر نشہ بازوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اگر انجشن کے ذریعے یہ دو الی جائے تو موت کا خطہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ آنماختا خون میں جا ملتی ہے۔ اس لئے اسے کسی اور طریقے سے استعمال کرنا چاہئے۔ ان کی یہ جتنوں پاکستان تک لے آئی اور انہوں نے پہنچایا کہ اسے پاکستان نشہ بازوں کی طرح سگریٹ کے تباکو میں ملا کر پیا جائے تو ان کی جان کو خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ اس دریافت کی وجہ سے ایک بار پھر ہماری ہیروئن کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسرا نشہ آور دواویں کے مقابلے میں ان امریکیوں کو اب بھی پاکستانی ہیروئن نسبتاً سستی لگی ہے۔ ان حالات کی وجہ سے خطرہ ہے کہ ہماری ہیروئن کی مانگ مستقبل قریب میں کہیں اور نہ بڑھ جائے۔

ہیروئن کے علاوہ اور بھی کئی ایسی خطرناک دوائیں ہیں، جو منیات کی فہرست

میں آتی ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ اب تک خدا کے فضل سے پاکستان تک نہیں پہنچیں، میں ان دوسری دواؤں کے بارے میں بھی مختصرًا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ نشیات ہیں جو یورپ اور امریکہ میں وسیع پیانا پر راجح ہیں۔

سب سے پہلے دو ایسی دواؤں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو سینٹیتھیک (Synthetic) ہیں۔ یعنی یہ اپنی قدرتی شکل میں نہیں پائی جاتی۔ انہیں کیمیائی طریقوں سے بنایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک فنتائل۔۔۔ (Fentanyl) ہے اور دوسری میپیریڈین (Meperidine)۔ بظاہر ان کی شکل، ہیر وئن سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے لاعلم اور معصوم لوگوں کے ہاتھ انہیں ہیر وئن ہی کہہ کر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ فنتائل، ہیر وئن سے ایک ہزار گنا طاقتور ہوتی ہے، اس لئے اس کا استعمال بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ ذرا سی بداختیا طی یا مناسب مقدار سے زیادہ استعمال کرنے سے آنا فاماً موت واقع ہو سکتی ہے۔ عموماً میپیریڈین (Meperidine) بالکل خالص حالت میں نہیں ملتی۔ اسے تیار کرنے کے عمل میں اکثر بعض ایسی چیزوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے جو زہریلی ہوتی ہے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے دماغ کو مستقل طور پر نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کے استعمال کے بعد مریض میں بعض ایسی علامتیں پیدا ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر شہر ہونے لگتا ہے کہ مریض پارکسون (Parkinson) کی خطرناک اور مہلک بیماری کا شکار ہو گیا ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جس کے حملے کے بعد انسان کے اعضاء میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اب نشیات کی ایک اور قسم کے بارے میں مختصرًا سنئے جو ایم ڈی ایم اے (MDMA) کہلاتی ہے۔ یہ نوجوانوں کی برادری میں بہت مقبول ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال کے بعد نشہ کرنے والا بے حد خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس پر مستقل مسرت کا ساجذہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے زیر اثر مریض کا ذہن، سوائے ایک مخصوص خیال کے، ایک خاص دھن کے، بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو دھن اس پر سوار ہو جاتی ہے اس سے ہٹ کر آپ اس سے باقی کرنے کی کوشش کریں تو ناکامی ہو گی کیونکہ وہ بار بار اپنی ہی دھن کا ذکر کرتا رہے گا چاہے آپ اس سے دین کی باقی کریں یا دینا کی۔ جیسے جیسے اس کا نشہ بڑھتا ہے، اسے ابکائیں سی آتی ہیں، متلی ہونے لگتی ہے۔ اعصاب اور

پھلوں میں تناہ سا پیدا ہو جاتا ہے، اس کی بے چینی شدت اختیار کر لیتی ہے اور اس کی بینائی بھی متاثر ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہر چیز اسے دھنڈ لی سی نظر آتی ہے۔

اس کو استعمال کرنے والے مریض کے نفسیاتی نقصانات کے بارے میں ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس کا استعمال شروع کرنے کے بعد مریض پر غیر یقینی قسم کے اثرات کسی وقت بھی، کسی بھی حالت میں رونما ہو سکتے ہیں۔ بعض پر طویل مدت تک کی بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ سامنے داؤں اور ڈاکٹروں دونوں کی رائے یہ ہے کہ ہر صورت میں مریض کے دماغ کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ان ماہرین کی رائے ہے جنہوں نے ایم ڈی ایم اے (MDMA) کا نشکر نے والے لوگوں کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

اس سے پہلے میں مارفین اور پیتھیڈین کا مختصر اڈ کر کر چکا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی بعض ایسی دوائیں ہیں جو بظاہر بے ضرر لگتی ہیں اور جنہیں ڈاکٹر کنی بیماریوں کے علاج میں عام طور پر استعمال کرتے ہیں یا لوگوں نے سرور کی تڑپ میں انہیں بھی نشہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جس کی حوصلہ لٹکنی ضروری ہے۔

مثلاً کوڈین (Codeine) جسے کھانی دور کرنے والے شربت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بعد کو غالباً کسی کوکوڈین کی کم سے کم خراک سے زیادہ مقدار مل گئی جس کی وجہ سے اس پر نشہ طاری ہو گیا۔ یہ بات پھیلی تو لوگوں نے اسے نشہ کی غرض سے پینا شروع کر دیا کیونکہ دوسری منشیات کے مقابلے میں یہ نہیں نبہتاً سنتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ حکومت کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ اس موثر دوا کے ساتھ کیسا ظلم ہو رہا ہے۔ اس لئے اس کی فروخت پر پابندی لگا دی گئی لیکن اس کے باوجود کوڈین کو ناجائز طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے دواؤں کی بعض کمپنیاں اب بھی اسے چوری چھپے تیار کر کے بازار میں بھجو رہی ہیں۔

ایک اور دوا، میتھاڈون (Methadone) ہے جو یورپ میں زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ یہ ایک کیمیائی مرکب ہے جس کے اثرات افیوں اور اس سے حاصل ہونے والی بعض دوسری دواؤں سے ملتی جلتی ہیں۔ میتھاڈون کو بھی خطرناک منشیات میں شامل کر لیا گیا ہے حالانکہ مغرب میں اس دوا کو ہیرون کے زیر اثر مریضوں کے علاج کے لئے کامیابی سے استعمال کیا جا رہا تھا۔

میتھا ڈون کی سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہ ایک بار کسی انسان کے جسم میں داخل ہو جائے، اس کے نظام کا ایک حصہ بن جائے تو یہ مشکل ہی سے خارج ہوتی ہے۔ یہ جسم میں آہستہ آہستہ جمع ہوتی رہتی ہے کیونکہ اس کے اخراج کی رفتار بے حدست ہوتی ہے۔ اس کے خطرناک استعمال کو دیکھتے ہوئے پاکستان میں اسکی درآمد پر پابندی لگی ہوئی ہے۔

کوکین

اب میں ایک اور نہایت خطرناک نشہ آوردہ اکاذک کرنے والا ہوں جس سے اب تک ہمارے علاقے محفوظ ہیں۔ اس نئے عذاب کا نام کوکین ہے جو جنوبی امریکہ سے پھیل کر اب ثالی امریکہ پر اس قدر چھاگئی ہے کہ اس کی وجہ سے لاکھوں گھروں کی نینداڑ گئی ہے کیونکہ یہ حکومت اور بہت سے سماجی اداروں کی کوشش کے باوجود، چور دروازوں سے گھروں میں داخل ہو رہی ہے اور ہر عمر کے امریکی کو اپنی گرفت میں لے رہی ہے۔

کوکین کی تجارت کرنے والے کتنے طاقتوں ہیں اور موت کے قص میں کس حد تک ملوث ہیں اسکا اندازہ آپ ان ہنگاموں سے، ان خونی ڈراموں سے لگائیے جو پچھلے دونوں جنوبی امریکہ کے ایک ملک کولمبیا میں کھیلے گئے اور کس طرح وہاں حکومت کی سرپرستی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ اس کے تاجر و موت نے تو بہت سے دیانت دار سرکاری افسروں اور مجنوں تک کوئی بخشنہ۔ یہ نیک بندے تھے جنہوں نے اپنے ملک کو، اپنے لاکھوں مخصوص بہن بھائیوں کو کوکین کی لعنت سے نجات دلانے کی، اسے مکمل طور پر ختم کرنے کی جارت کی تھی۔ اس سے پہلے کہ ان بد معاشوں پر مقدمے چلائے جاتے، ان افسروں اور جنوں کا صفائیا کر دیا گیا۔

کوکین کس طرح، کس حد تک انسانی نسل کو متأثر کرتی ہے، اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ امریکہ میں ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں جن کی ماں میں حمل سے پہلے اور حمل کے دوران کوکین استعمال کرتی تھیں، ڈاکٹروں کو ایسی عورتوں کے بچوں میں ایک خطرناک علامت نظر آتی۔ وہ یہ کہ انہیں پتہ چلا کہ ان بد نصیب بچوں کو زندہ رکھنے کے لئے کوکین کی ایک مخصوص خواراک کی ضرورت تھی۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ بچے بھی کوکین

کی اشتہا، اس کی بھوک اسی طرح لے کر پیدا ہوئے تھے جس طرح کوکین کے بڑی عمر کے نشہ باز ہوتے ہیں۔

امریکہ کے اپنے حالیہ دورے میں، مجھے واشنگٹن ڈی سی میں ایک ایسی دستاویزی فلم دیکھنے کا موقع ملا جس میں ایسے کئی بچے دکھائے گئے تھے اور ان کے مرض کے بارے میں مختلف بڑے ڈاکٹروں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ یہ فلم دیکھ کر ان نومولودہ بچوں کی بے بسی دلکشی کر میری روح کا ناپ گئی۔ یہ بچے امریکہ کے کئے چھوٹے بڑے شہروں میں پیدا ہوئے تھے جس سے پتہ چلتا تھا کہ کوکین کی لعنت کس طرح وہاں پھیلی ہوئی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوکین ہے کیا جس کے استعمال سے اتنے خطرناک اثرات ابھرتے ہیں؟ یہ بھی دوسری منشیات کی طرح کی نشاط انگیز یا کیف آور چیز ہے جو بڑی تیزی سے انسان کے اعصابی نظام میں یہجان پیدا کرتی ہے، تیز نشہ پیدا کرتی ہے۔ اس کے استعمال کے بعد انسان کا اعصابی نظام تیزی سے کام کرنے لگتا ہے۔ اسے ایک زمانے میں آپریشن سے پہلے انسان کے جسم کو سن کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

کوکین ایک مخصوص جنگلی جهاڑی کے پتوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ اسے ایک طرح کی جزوی بولی سمجھتے جو جنوبی امریکہ کے بعض علاقوں میں اگتی ہے۔ اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ان علاقوں میں دس ہزار سال سے اگ رہی ہے۔ خود اس کے پودے کی عمر بیس سے پچس سال تک ہے۔

کوکین جس پودے سے حاصل کی جاتی ہے اس کا نام کوکا ہے۔ اس کی تین سو سے زیادہ قسمیں ہیں۔ ان میں سے صرف چار ایسی ہیں جن سے کوکین حاصل کی جاسکتی ہے یہ سب کی سب جنوبی امریکہ ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ستر ہویں صدی کے وسط میں یورپ کے بعض سیاح اور تاجر خصوصاً ولندیزی ملاج اس پودے کو جنوبی بحر الکاہل کے بعض جزیروں میں لے گئے تھے اور وہاں ان تمام قسموں کی کاشت کی کوشش کی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی ورنہ مغرب کی طرح مشرق کے بہت سے ملک بھی اس مہلک لعنت کا شکار ہو کرتا ہو چکے ہوتے۔ جنوبی امریکہ کے جن ملکوں تک اس کی کاشت محدود ہے وہ یہ ہیں۔

کولمبیا۔ پیرو۔ وینویلا، ایکواڈور اور بولی وا۔

غالباً کوکین کی مانگ کو دیکھتے ہوئے اب حال ہی میں بعض دوسرے ممالک بھی اس ذیلی دھندرے میں شریک ہو گئے ہیں یہ ہیں ارجمندیا، برازیل، چلی اور پیراگوئے۔ اس کے کار و بار کے سلسلے میں یوں توقیل و غارت گری کا بازار کولمبیا میں گرم ہوا تھا لیکن کوکین کی سب سے زیادہ پیداوار پیرو میں ہوتی ہے۔ یہ ہر سال کوکا، کاتقریا اسوا الکھن پتہ پیدا کرتا ہے۔ کولمبیا کا شمارتیس رے بڑے ملک میں ہوتا ہے۔ پہلی یہ بات عجیب ہے کہ امریکہ میں تو کوکین نے تباہی پھیلا رکھی ہے، ساری مہذب دنیا اس خطرناک نشے کے اثرات کا سن کر کاپ رہی ہے، اس کے باوجود پیرو (Peru) اور بولیوا (Bolivia) میں کوکا کی کاشت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں قانوناً اس کی اجازت ہے۔ اس پر البتہ ضرور پابندی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں قانوناً اس کی اجازت ہے۔ اس پر البتہ ضرور پابندی ہے کہ اس کے چتوں کو کیمیائی عمل کے ذریعے کوکین کا روپ نہیں دیا جاسکتا۔

کوکین بازار میں بڑی نقیض، سفید، بلوری یعنی Crystalline سفوف کی شکل میں فروخت کی جاتی ہے۔ امریکہ کی سڑکوں اور گلیوں میں اور بہت سے نام ہیں۔ مثلاً۔۔۔ کوک، اسنو، فلیکس یا اسٹارڈسٹ وغیرہ۔

اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ملاوٹ کر کے اسے پتلا کیا جاتا ہے یعنی Dilute کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے لئے سب سے زیادہ جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں وہ عام طور پر ناکم پاؤڈر، آئنگ شوگر یا پھر بعض دوائیں جن میں مقبول دوا بینزو لین (Benzocaine) ہے جو خوب بھی مقامی طور پر جسم کے کسی حصے کو سن کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے اس معاملے میں اسکا اثر بھی دیکھا ہی ہوتا ہے جیسا کہ کوکین کا۔

اسے استعمال کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اسے یعنی کوکین کو نشے کے لئے سونگھا بھی جاسکتا ہے، سگریٹ کی طرح پیا بھی جاسکتا ہے اور اس کا انجلشن بھی لیا جاسکتا ہے۔ تمباکو کے انداز میں پینے کے لئے کوکین کو ایک ایسے کیمیائی عمل سے گزارا جاتا ہے جس میں بعض شدید قسم کے آتش گیر محلوں استعمال ہوتے ہیں جنہیں ایک خاص طریقے سے گری پہنچائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ عمل خطرناک بھی ہے اور مشکل بھی اس لئے سگریٹ کے انداز میں پینے والی کوکین نسبتاً زیادہ مہنگی ہوتی ہے اس کی غالباً سب سے خطرناک قسم کریک

(Crack) کہلاتی ہے۔ اس کی تیاریوں میں یوں تو بنیادی طور پر کوکین کا سفوف ہی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی ایسا خطرناک کیمیائی عمل اختیار نہیں کرنا پڑتا جو اشتعال پذیر ہو۔

کریک خالص کوکین نہیں ہے۔ اس میں وہ تمام ملاؤٹس ہوتی ہیں وہ ساری کیمیائی اشیاء ہوتی ہیں جو کوکین کو کریک کاروپ دینے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں اور اس کی نئے میں اضافے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

امریکہ کے علاوہ کینیڈا میں بھی کوکین کو کسی بھی شکل میں رکھنا غیر قانونی ہے۔

اس کی سزا بھاری جرمانہ بھی ہو سکتی ہے اور قید بھی بعض صورتوں میں اس کی تجارت کرنے والے کو کوئی ایک سال تک کی سزا ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ عمر قید۔ اس سے اندازہ لگائیجے کہ اس لعنت سے مغربی ممالک کس حد تک خائف ہیں۔

کوکین کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے چکر میں اگر کوئی آجائے تو اس کی چند خوارکیں اسے ساری عمر کے لئے غلام کر لیتی ہیں۔ انسان ہمیشہ کے لئے اس کی مضبوط گرفت میں چلا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اب امریکہ کی سڑکوں پر کھلے عام آسانی سے مل سکتی ہے اس لئے اس کے استعمال میں بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں لوگ اپنی قوت برداشت سے زیادہ مقدار میں اسے استعمال نہ کر بیٹھیں۔ ایسی صورت میں سانس بند ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ چونکہ عام طور پر اسے ناک کے قریب لا کر سونگھا جاتا ہے اس لئے یہ بہت جلد تھنوں کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔

اب میں آخر میں بعض ایسی دواوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا شمار منشیات میں نہیں ہوتا لیکن جن کا اثر کثرت استعمال کے بعد اتنا ہی تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ آج کی برق رفتار زندگی میں ان دواویں کا بہت زیادہ بے دھڑک استعمال ہونے لگا ہے۔

معاشی بے چینی جس حد سے بڑھتی ہے اور انسان نام و نمود کے چکر میں پڑ کر دولت کمانے کی دوڑ میں شامل ہو جاتا ہے تو جسمانی طور پر تو وہ بہت سی بیماریوں کا شکار ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ اور اس کے اعصاب بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔

دن بھر کی دوڑ دھوپ اور فکر کے یلغار کی وجہ سے اس کا جسم تو بظاہر تھک جاتا ہے لیکن اس کے اعصاب کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اس کے نتیجے میں اس کی نیند غالب ہو جاتی ہے۔

چین کی نیندسو نے کے لئے اور اس طرح اپنے مضطرب اعصاب کو سکون پہنچانے کے لئے وہ کئی دواؤں کا سہارا لیتا ہے۔

یہ وہ دوائیں ہیں جو ایک زمانے میں ڈاکٹر کبھی کبھار اپنے مریض کو دیا کرتے ہیں۔ بغیر ڈاکٹر کے نجخے کے بغیر انہیں عام دوکانوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن جہاں ہمارے معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کا شیرازہ بکھرا ہے وہاں دواؤں کی تجارت میں بھی بڑی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب یہ آسان ہو گیا ہے کہ کوئی بھی انسان پاکستان میں اپنی پسند کی کوئی بھی دوا ڈاکٹر کا نجخہ دکھائے بغیر خرید سکتا ہے۔

جن دواؤں کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ تو اب چھوٹی سے چھوٹی دوکان سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

یہ رجحان بھی خطرناک ہے۔ اپنی کم قیمت اور دستیابی کی آسانی کی وجہ سے جو نیندلانے والی دوائیں عوام میں بہت مقبول ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

—فی نوبار بی ٹون—
Phenobarbitone

—ڈائی زی پام—
Diazepam

—ولیم—
Valium

—سونیرل—
Sonerial

—لارجیکٹل—
Largactil

—مینڈرکس—
Mendrix

—مل ٹاؤن—
Miltown

میں نے تو صرف چند ایک کے نام گنوائے ہیں۔ اگر حکومت کے نمائندوں سے پوچھا جائے تو وہ بھی کہیں گے کہ ان میں سے بہت سی تو نہ اب درآمد کی جاتی ہیں اور نہ یہاں تیار ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے بر عکس ہے۔ میں نے خود بازار کا جائزہ لیا ہے۔ یہ ہر جگہ دستیاب ہیں، کہیں بہت ستے داموں اور کہیں قدر رے مہنگے دام پر۔ کہیں بغیر اچکچا ہٹ کے فروخت ہوتی ہیں اور کہیں اچھی طرح دیکھ بھال کر کے کہ مانگنے والا کہیں پولیس یا محکمہ صحت کا کوئی افسر نہ ہو۔ چونکہ ان تمام دواؤں کے استعمال سے انسان کی نیند بھی آتی ہے اور قدر رے سر در بھی ملتا ہے۔ اسے نشیات کی جگہ استعمال کرنے کا خطرہ ہر

وقت لاحق رہتا ہے۔ میرا خیال ہے اگر کبھی ہم منشیات کی لعنت سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ حاصل کر سکے اور یہ پاکستان میں کہیں نہ ملیں تو لوگ مندرجہ بالا دواؤں ہی کا سہارا میں گے۔ غالباً آپ واقف ہوں گے کہ جہاں بھی شراب پر مکمل پابندی لگائی گئی وہاں ناجائز طور پر شراب بننے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں نے عام (Spirit) پیانا شروع کر دیا تھا، وہ میتحال یئڈ اسپرٹ جو گریلو صارفین گیس کے لیپ چلانے کے لئے بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ خدا نے انسان کو اس قدر ذینبنا یا ہے کہ جب اس کے لئے ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے تو وہ خود ہی دوسرا ڈھونڈ نکالتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی یہ ذہانت اچھے کاموں سے زیادہ بڑے کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے۔

میں نے اب تک اس باب میں چند اہم منشیات کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے اور ان کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اب میں اگلے صفحوں پر ایک چارٹ کے ذریعے ہر ایک خصوصیات کا خلاصہ پیش کروں گا تاکہ آپ اس کے حوالے سے نشہ آؤ اور دوا کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں رکھ سکیں، خود بھی ان سے بچیں اور اپنے عزیز واقارب کو اپنے بچوں اور نوجوانوں کو اس عذاب سے بچا سکیں۔

نام	شکل اور صورت اور ترکیب استعمال فوری اثرات
افیون	گہرا، بادامی، بھورا سفوف ذہن میں خوشی کی لہریں ابھرتی ہیں۔ کبھی کبھار لئی کی شکل کا بھی جنم گرم ہو جاتا ہے منہ خشک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس پر سرو رچھا جاتا ہے۔ افیون کو کھایا بھی جاتا ہے اور چشم میں بھر کر، اسے حقے کی طرح سلاک پیا بھی جاستا ہے۔ اگر افیون کو شراب کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو یہ بے خطرناک ہو جاتی ہے۔
مارفین	نجکشن کے لیے محلوں یعنی Solution کی شکل میں اس کے اثرات وہی ہیں جو افیون کے ہیں پائی جاتی ہے یا گولیوں کی صورت میں کھائی جاتی ہے اسے افیون سے تیار کیا جاتا ہے
ہیر و تن	باریک سنیدہ یا بھورے سفوف کی شکل میں۔ دودھ یا آنکھیں سرخ ہو جاتی ہے۔ جسم پر چوت ایک طرح کی Leing Sugar کے ساتھ پیا جاتا کے سے نشان ابھرتے ہیں۔ سانس میں ہے، نجکشن لیا جاتا ہے یا اسے گرم کر کے سمجھا جاستا بدبو پیدا ہوتی ہے۔
کوکین	ہر انٹیس سنیدہ بلوڑی یعنی Crystalline سفوف۔ اگر خوراک کم ہو تو مریض میں بڑی قوت آتے ہیں Leing Sugar اور ٹالکم پاؤڈر کے ساتھ جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے سانس تیز چلانگتی ہے۔ جسم گرم ہو جاتا ہے اور بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بعض خطرناک منشیات کی خصوصیات جان کر کیا ہم اس لعنت پر قابو پاسکتے ہیں؟ قابو پانے کی کوششیں تو پچھلے آٹھ دس سال سے جاری ہیں۔ پاکستان نارکوئک کنٹرول بورڈ کی تحقیق کی رو سے ۱۹۸۲ء میں (تیرہ) لاکھ پاکستانی منشیات کا شکار تھے۔ ۱۹۸۶ء میں جائزہ لیا گیا تو پہنچلا کہ انیس لاکھ اس کی گرفت میں تھے۔ ان کے چنگل میں پھنسنے والوں کی تعداد اسی طرح بڑھ رہی ہے۔

اس تحقیق کے ذریعے سے یہ بھی پتہ چلا کہ تقریباً ۳۲ فیصد نشہ باز ہیر و نکو اونی اہمیت دی ہے۔ یہاں سب سے پریشان کن حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں اس کا زور بہت زیادہ ہے۔ بعض مخصوص علاقوں میں تو مثلاً لیاری میں پندرہ سال کی عمر کے اکشنوجوان اس کے چکر میں آچکے ہیں کیونکہ یہاں نشیات کے اڈے بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں۔ ان پر قابو پانے کی ان سے نجات حاصل کرنے کی جو خبریں آپ سنتے ہیں یا اخباروں میں پڑھتے ہیں وہ سب دکھاوے کی ہیں۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ تقریباً تیس لاکھ بدقسمت مریض دیہاتوں اور چھوٹے شہروں میں ہیں جہاں ان کے مناسب معالج کی سہولتیں یا تو سرے سے ہیں ہی نہیں یا برائے نام ہیں۔

-- پہلے یہ خیال کیا جاتا رہا کہ یہ لعنت صرف مردوں ہی تک محدود ہے۔ اب یہ صورت حال بھی بدلتی ہے۔ شہروں میں یہ عذاب خواتین میں بھی پھیل رہا ہے۔

اب یہ دیکھئے کہ کس طبق اور کس پس منظر کے لوگ اس لعنت کا شکار ہیں۔

-- ایک عام قدم کے نئے باز کی عمر تقریباً بیتیں سال ہے۔ اس نے نئے کی ابتداء اس وقت کی تھی جب اس کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

-- پہلے عذاب صرف شہری آبادی تک محدود تھا۔ اب یہ چھوٹے شہروں اور دیہاتوں تک پھیل گیا ہے۔

-- پچھلے پانچ سال میں اس کی صورت ایک خطرناک متعددی بیماری کی سی ہو گئی ہے۔

-- جہاں صرف چرس کا استعمال ہوتا تھا وہاں اب آہستہ آہستہ دوسرا خطرناک نشیات استعمال ہو رہی ہیں۔ مثلاً ہیر و نکن کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

-- شہروں میں ایسی خواب آور دوائیں جنہیں ڈاکٹر ٹرانکولاائزرز Tranguillizer کہتے ہیں، بہت مقبول ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ سمجھی جا رہی ہے کہ جب ہیر و نکن چھوڑنے کی کوشش میں ان کا نظام بہت سی الگھنوں کا شکار ہو جاتا ہے تو ٹرانکولاائزرز کو ایک توڑ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ عموماً ایسے مریض اضطراب میں خود ہی بغیر کسی ڈاکٹر یا ماہر سے مشورہ کئے انہیں استعمال کر رہے ہیں۔

-- پچھلے چار پانچ برسوں میں نئے کے شکار لوگوں کا معاشی اور معاشرتی پس

منظر بدل گیا ہے۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایسے لوگوں کا تعلق نچلے طبقے اور کم آمدنی والے گروپوں سے تھا۔ ایسے مریض اب بھی موجود ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے جو عمر میں ان لوگوں سے کم ہیں، اکثر تعلیم یافتہ نوجوان مرد اور خواتین ہیں، جن کا تعلق دولت مند گھرانوں سے ہوتا ہے۔ ان میں بہت سے پیشوور افراد ہیں اور بڑے عہدوں پر فائز ہیں ہیں سماج میں ان کو مقام بھی اعلیٰ ملا ہوا ہے۔

-- ایک سرکاری جائزے کے مطابق سے تمام نشہ بازوں کا سیستیس فیصد حصہ شہروں میں آباد ہے۔

-- ان میں سے بیشتر کی آمدنی پانچ سو سے دو ہزار روپے ماہانہ کی ہے۔

-- اوسطاً ہر مریض منیات پر ڈھائی سو سے پانچ سو روپے تک خرچ کر رہا ہے۔

-- ان کے پیشوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں بس اور ٹرک ڈرائیور بھی ہیں اور مزدور بھی۔ ان میں سب ہی کسی نہ کسی پیشے سے متعلق ہیں۔ صرف سات عشرے یہ سات فیصد مریض بیکار ہیں۔

-- یہاں ایک بات اور پریشان کن ہے۔ وہ یہ کہ منیات کی لعنت میں گرفتار زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جنہیں صرف ایک نشہ والی چیز سے تسلی نہیں ہوتی۔ وہ ایک سے زیادہ قسم کی منیات استعمال کرتے ہیں۔

اب تک آپ اس خطرناک مسئلے سے متعلق تمام بنیادی حقائق سے واقف ہو چکے ہوئے، ساتھ ہی منیات کی مقبول ترین قسموں کی خصوصیات سے بھی آپ روشناس ہو چکے ہوئے۔ ان معلومات سے مسلح ہو کر اب وقت آگیا ہے کہ ہم دشمن کا مقابلہ کچھ اس طرح کریں کہ منیات کا مکمل خاتمه نہ بھی ہو تو نہ سہی کم از کم اسے پے در پے کاری ضرب لگا سکیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے کے دو اہم مسئللوں پر علیحدہ علیحدہ غور کریں۔ اول تو یہ کہ ہم اپنے بچوں اور نوجوانوں کو کس طرح اسکے چنگل سے بچائیں۔ دوسری یہ کہ ہمارے معاشرے کو، پوری قوم کو منیات کے یلغار سے بچانے کے لئے کیسے اقدام کس طرح اٹھائیں۔

اگلے صفحوں میں ہم ان ہی مسائل پر علیحدہ علیحدہ غور کریں گے۔

نشیات اور نئی نسل

اب سے چند سال پہلے تک بڑے بڑے دانشوروں کو بھی یہ غلط فہمی تھی کہ نشیات کی لعنت صرف تیس سال کی عمر کے مردوں تک محدود ہے۔ پھر پتہ چلا کہ اس کی صفائی میں بڑی عمر کے مرد اور عورتیں بھی شامل ہو رہی ہیں۔ مزید کچھ وقت گزر اور اس کا شکنجه کچھ اور مضبوط ہوا تو انکشاف ہوا کہ نوجوان بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں اور اب صورت حال یہ ہے کہ یہ عذاب بچوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔

اس لئے سب سے پہلے میں اس کا ذکر کروں گا کہ بچوں کو اس لعنت سے بچانے کی کیا ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ بچوں کو بچالیا گیا تو بڑی حد تک ہم نوجوان کا تحفظ بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں صورت حال خاصی مایوس کن ہے۔ ہم اب تک بڑی عمر کے لوگوں اور اپنے نوجوانوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تو بھلا ہم بچوں کا بچاؤ کیسے کر سکیں گے۔ اس لئے میں اپنے تازہ ترین تجربوں اور جائزے کی کہانی سناؤں گا۔ یہ تجربے مجھے اسی سال میں اور جون میں حاصل ہوئے اور میں نے ان اقدام کا قریب سے جائزہ لیا جو نشیات کو بچوں اور نوجوانوں سے دور رکھنے کے سلسلے میں اٹھائے چاہے ہیں۔ بہت ممکن ہے ہمیں بھی ان کے تجربوں کی روشنی میں ایسی کوئی راہ بھائی دے جس پر چلتے ہوئے ہم اپنے بچوں اور نوجوانوں کی حفاظت کر سکیں۔

اس سلسلے میں بہت مفید کام امریکہ میں ہو رہا ہے۔ اس کے خاصے خاطر خواہ نتائج بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ امریکی کاؤنسل فارڈر گریجویشن (American Council for Drug Education) نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ اپنی مہم کے

آغاز کے لئے پچھلے سال اس ادارے نے باقاعدہ تجویزیں پیش کی تھیں۔ اس کا خیال ہے کہ ان پر چل کر ثابت قدم اٹھائے جاسکتے ہیں۔ ان کی تجویز ایسی ہیں کہ پاکستان میں بھی یہ مفید ثابت ہو سکتی ہیں، بشرطیہ ہم سب مل کر، انہیں ایک اہم قومی فریضہ سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

۱۔ نشیات سے تحفظ کا کام چھوٹی عمر کے بچوں سے شروع کیجئے کیونکہ وہ سب سے زیادہ غیر محفوظ ہیں اور انہیں آسانی سے اس لعنت میں پھنسایا جا سکتا ہے۔

۲۔ والدین کو چاہئے کہ وہ کبھی بچوں پر اپنی لیاقت کارعب ڈالنے کی کوشش نہ کریں اور نہ یہ ظاہر کریں کہ وہ نشیات سے متعلق تمام مسئلتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔

۳۔ بچے عموماً اپنے والدین کو اور خصوصاً والد کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ آپ ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ آپ کے بچے آپ کو ایک مثالی شخصیت سمجھتے ہیں۔

۴۔ والدین اور بچوں کے درمیان بڑا فرق میں رابطہ رہنا چاہئے۔ جب بھی آپ کو وقت ملے، موقع ملے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیشہ ملکی اور غیر ملکی حالات کے بارے میں اپنے بچوں کو باخبر رکھنے کی کوشش کیجئے لیکن اس کا خیال رہے کہ آپ ان ہی مسائل پر باتیں کریں جن میں آپ کے بچوں کو دلچسپی ہو۔

۵۔ نشیات کے خلاف دنیا بھر میں جو جہاد جاری ہے اسکے تمام پہلوؤں کے بارے میں آپ ہمیشہ باخبر رہنے کی کوشش کریں۔

۶۔ شہروں میں سماجی حالات بڑی تیزی سے خراب ہو رہے ہیں۔ اس مخدوش ماحول میں آپ کا مخصوص بچہ بالکل بے سہارا ہے۔ اسے گمراہ کرنے والے ہر وقت تاک میں رہتے ہیں۔ آپ کا بچہ گھر میں، گھر سے باہر، سکول میں، اپنے دوستوں کی محفل میں کیسے لوگوں سے ملتا ہے، کیا کچھ سیکھ رہا ہے، اپنا فال تو وقت کیسے گزارتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ ہمیشہ جانے کی کوشش کریں، کچھ اس طرح کہ اسے شک نہ ہو کہ آپ اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

۷۔ آج کل نشیات کا خاصاً ذکر ہونے لگا ہے۔ بغیر اسے احساد دلائے آپ وقت فوت یا جانے کی کوشش کریں کہ انکے بارے میں کیا سنا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے سے بڑی عمر کے ساتھیوں یا اساتذہ سے کچھ سن رہا ہے یا ان سے کچھ سیکھ رہا ہے؟ اس کے لئے ضروری نہیں کہ اس نے نشیات کا استعمال شروع کر دیا ہو۔ انہیں ہاتھ لگائے بغیر

وہ ان کی طرف نا دانستہ طور پر بڑھ سکتا ہے۔

۸۔ ہر بچہ آزادی چاہتا ہے لیکن یہ آزادی غیر مشروط یا لا محدود نہیں ہو سکتی۔

آپ اپنے بچے کے لئے آزادی کی حدود سوچ سمجھ کر خود ہی مقرر کریں۔ اس سلسلے میں بالکل بچکچائے نہیں۔ جب ایک مرتبہ آپ کوئی فصلہ کر لیں تو اس پر ڈٹے رہیں۔

۹۔ نشہ آور دوائیں استعمال کرنے والوں کی شخصیت بدل جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں کس طرح، کن کن مرحلوں میں تبدیلی بیدار ہوتی ہے، ایسے مریضوں کی کیا عالمیں ہوتی ہیں، ان کے بارے میں آپ پوری معلومات رکھیں۔

۱۰۔ کبھی آپ کوشک ہو جائے کہ آپ کا بچہ اس کا شکار ہو گیا ہے تو پریشان ہونے کے مجائے، وقت ضائع کے بغیر فوراً اسے بچانے کی کوشش کریں۔ سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ فوراً اپنے وقار اور نیک نامی کے چکر میں وقت ضائع کے بغیر ماہرین سے رجوع کریں۔ ان حالات میں وقت بڑا ہم ہوتا ہے۔ اگر وقت پر آپ نے علاج شروع کیا تو آپ کے بچے کی جان بچ سکتی ہے اور آپ دوسرے والدین کے لئے ایک عمدہ مثال بھی بن سکتے ہیں۔

۱۱۔ اپنے بچے کے دوستوں کے والدین سے قریبی رابطہ رکھئے تاکہ اگر کوئی دوسرا بچہ غلط راستے پر چل پڑے تو آپ فوراً احتیاطی تدبیر اختیار کر سکیں۔ ورنہ خطرہ آپ کے دروازے تک چپ چاپ پہنچ جائے گا اور آپ کو اس کا اس وقت علم ہو گا جب آپ کا معصوم بچہ اس کے پہنچ میں ہو۔

۱۲۔ آپ ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ بچوں پر والدین کا عomo اور والد کا خصوصاً زیادہ اثر رہتا ہے۔ ان کے ذہن کا یہ تاثر، سماج کی بڑی سے بڑی شخصیت یا با اثر لوگوں کے رسوخ اور دبدبے سے زیادہ گہرا اور طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے جب بھی وہ کسی مصیبت میں بیتلنا ہو جائے، اسے آپ سب سے آسانی سے، سب سے موثر طور پر چھکارہ دلا سکتے ہیں۔

ان تجاذبیں پر غور کیجئے تو واضح ہو جائے گا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس پر ہم آسانی سے عمل نہ کر سکیں۔ بشرطیکہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں بیتلانہ ہوں اور ہمیں اسکا احساس ہو کہ ہمارے لئے اپنے کہنے اور اپنی اولاد کے مستقبل،

ان کی ذہنی اور جسمانی صحت سے زیادہ اہم کوئی نعمت نہیں۔ مال اور دولت کا توہاتھ کا میل ہیں۔ خاندان کے تمام افراد کے درمیان پیار اور محبت، ربط سب سے اہم ہیں۔ بد قسمتی سے ایک مادی معاشرے کا حصہ بن جانے کی وجہ سے ہماری سماجی زندگی کے یہی پہلواب خطرے میں ہیں جس کی وجہ سے منشیات کے عذاب کو ہمیں تباہ کرنے کے موقع مل گئے ہیں۔

اگر بچپن کا دور انہیٰ مخصوص ہوتا ہے تو نوجوانی کا زمانہ بڑا ہی خطرناک۔ یہ دونوں دور والدین کے لئے بڑے اہم ہوتے ہیں کیونکہ ان سے متعلق خطروں کا اندازہ انہیں ہوتا ہے۔ ایک طرح سے والدین کو زیادہ اور نوجوانوں اور بچوں کو کم۔ جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی ہے ان پر تو بہت سی خوش فہمیوں کا ایک نشہ ساطاری رہنے لگتا ہے عموماً وہ اپنے والدین سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب وہ ہر وقت کسی نہ کسی طرح بڑوں کی طرح، انہی کے انداز کی زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ ایک طرح کا جادو ہے جس کا وہ شکار رہتے ہیں۔

بچوں کا اکثر جی چاہتا ہے کہ وہ اپنے والدین سے دنیا کے ہر موضوع پر کھل کر بتیں کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ والدین ان کی اس خواہش کا ہمیشہ احترام کریں۔ روزانہ تھوڑا وقت اپنے بچوں کو ضرور دیں تاکہ وہ ان کی بتیں چیزوں سے پیٹھ کر سکیں، اگر ان کی جائز خواہشیں ہوں تو انہیں پورا کریں، ان کے کوئی مسائل ہوں تو انہیں حل کرنے کی کوشش کر سکیں۔ ایسے موقعوں پر خواہ خواہ ڈائٹا بچ کو ان سے دور کر دیتا ہے۔ بیٹیں سے اس کی تباہی کی بیاناد پڑتی ہے۔

لڑکے عموماً اپنے ماں باپ سے تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں اور لڑکیاں اپنی ماں سے۔ اس لئے ماں اور باپ، دونوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تمام مصروفیات کے باوجود، ان کی بتیں سننے کے لئے وقت نکالیں۔ ایسے موقعوں پر انہیں خود اپنا بچپن اور جوانی کے دنوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس زمانے میں خود ان پر کیا بیتی تھی جب ان کے والدین ان کی بتیں سننے سے انکار کر دیا کرتے تھے یا میل بیٹھنے کے لئے ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

یہ صحیح ہے بچوں میں تحسیں کا مادہ بہت ہوتا ہے اور بعض بچے عجیب عجیب سے

سوالات کر کے والدین کو تقریباً پاگل کر دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے والدین بھی ہیں جو بچوں سے، اپنے جوان بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ بے بات، ان کی باتوں یا ان کی مصروفیات اور عمل کے بارے میں سوالات کر کے، ان پر اعتراضات کر کے انہیں بھی پاگل کر سکتے ہیں۔ تاہی آخرونوں ہاتھوں سے بھتی ہے!

اگر والدین اور بچوں کے درمیان قربتی رابطہ ہو، ان کی زندگی میں مکمل ہم آہنگی ہو، پیار اور محبت ہو، ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے کی صلاحیت ہوتا یہ گھروں کے بچے اور نوجوان عموماً منشیات کے چکر میں نہیں پڑتے۔ جب اولاد سے قرب ہو، والدین اور بچوں کے درمیان کوئی خلیفہ نہ ہوتا اس طرح ان کی عادات، ان کا حیثیت، ان کے رہنمائی کا طریقہ اور سکول یا کام لج میں ان کی پڑھائی کی رفتار اور معیار پر آسانی سے نظر کھی جا سکتی ہے، وہ بھی اس طرح کہ انہیں پتہ ہی نہ چلے کہ وہ والدین کی زگا ہوں کا مرکز ہیں۔

ایسے چونکے والدین فوراً اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا بچہ، بیٹا یا بیٹی منشیات کا شکار ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں بعض ایسی علامتیں ہیں جو عموماً نظر آتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر والدین کو فوراً پتہ چل سکتا ہے کہ بچوں کی ذہنی اور جسمانی صورت حال کیسی ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک مشکل ہے۔ وہ یہ کہ یہ علامتیں صرف اس وقت نظر آتی ہیں جب بچہ یا نوجوان ہفتے میں کم از کم تین چار بار منشیات کا استعمال کرے۔ ان علامتوں میں سے چند اہم یہ ہیں۔

-- بچے یا نوجوان کا جی پڑھائی سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔

-- امتحانات میں بغیر کسی واضح وجہ کہ مستقل ناکامی ہوتی ہے۔

-- طبیعت میں چڑچڑا بین آ جاتا ہے۔

-- وہ اپنے سے بڑوں سے بار بار، بات بے بات اختلافات کا مظاہرہ کرتا ہے۔

-- ہر وقت عزیز واقارب سے بہن، بھائیوں سے، خاندان والوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

-- اسے نئے دوستوں کی صحبت بہت بھاتی ہے۔

-- اور آخری علامت یہ کہ وہ اکثر جھوٹ بولنے لگتا ہے اور موقع پا کر گھر سے

پیے چانے لگتا ہے۔

اگر خدا نخواستہ آپ کوشک ہو یا مندرجہ بالا علامتوں میں سے کوئی بھی علامت آپ کو اپنے بچے میں نظر آئے تو آپ کے لئے بہتر ہے کہ آپ وقت ضائع کے بغیر اسے اپنے پاس بلائیں اور پیار سے قریب بٹھا کر اس تدبیلی کے بارے میں صاف صاف پوچھیں۔ ساتھ ہی اس کا ضرور خیال رکھیں کہ جب آپ اس سے باقی کر رہے ہوں۔ آپ دونوں تنہا ہوں۔ یعنی گھر سے دوسرے افراد وہاں نہ ہوں، خصوصاً آپ کی بقیہ اولاد۔

اگر آپ اس انداز میں اس سے باقی کریں تو وہ اکثر صورتوں میں فوراً مان لیتا ہے کہ وہ انجانے میں اس طرح کی کسی چکر میں پھنس گیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو ترکیب میں نے بیان کی ہے وہ ہمیشہ کامیاب ہو۔ بعض بچے اور نوجوان بے حد چالاک اور ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی خاصی مدت سے اس لئے کا شکار ہو تو وہ فوراً آپ کو جھٹلا بھی سکتا ہے۔ اگر وہ انکار پر بھدر رہے تو یہ جانے کے لئے آپ کا شکر صحیح تھا یا نہیں طبی ثیسٹ ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مخصوص طرز کا طبی معائنہ ہوتا ہے۔

اس معائنے کے بعد اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا شکر صحیح تھا اور بچے یا نوجوان بیٹھے نے آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو اسے فوری طور پر سزا ضرور ملنی چاہئے۔ اسے کسی قسم کی سزا ملنی چاہئے اس کا فیصلہ، اس کا انحصار کئی پہلوؤں پر ہے۔ لیکن فوری طور پر آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا جیب خرچ بند کر دیں۔ اس کے بعد اس کے آنے جانے پر، اس کے ملنے ملانے والوں پر، غرضیکہ اس کی ہر حرکت پر آپ کڑی نظر رکھنا شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اسے اس کے نئے دوستوں سے ملنا بند کروادیں۔ یہ وہ خطرناک لوگ ہیں جن کی وجہ سے نشیات کی لعنت آپ کے گھر تک آگئی۔

نشیات کے وجود کے پہلے ثیسٹ کے بعد یہ ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً آپ اپنے بیٹھے کا طبی معائنہ کرواتے رہیں تاکہ آپ کو تسلی ہو کہ کہیں وہ دوبارہ اس کے شکنے میں تو نہیں آگیا۔

میں اگلے چند صفحوں میں مختصرًا یہ بیان کروں گا کہ اس عذاب پر قابو پانے کے لئے والدین سکولوں کے اساتذہ، خود طلباء اور طالبات اور پھر پورا معاشرہ کس طرح علیحدہ علیحدہ بھی اور مل جل کر بھی کام کر سکتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خاطر خواہ نتائج کے لئے ضروری ہے کہ پورا معاشرہ متحد ہو کر دشمن پر حملہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ انتظامیہ، پولیس، مذہبی رہنماء، سماجی کام کرنے والے شہری اور آخر میں میدیا جس میں اخبار، رسائل، فلم، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سب ہی آتے ہیں۔۔۔ ان سب کو بھی دست تعاون بڑھانا چاہئے۔

والدین کیا کر سکتے ہیں؟

والدین اپنے بچوں کو سیاہ اور سفید، غلط اور صحیح کا فرق بتا سکتے ہیں تاکہ نبچے یہ جان سکیں کہ ان کا مذہب اور معاشرہ ان کو کس حرکت کو، کس عمل کو جائز سمجھتا ہے اور کے ناجائز۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ والدین خود اپنی مثالیں پیش کریں۔ جن بچوں کو تجھی ذمہ داریوں اور اپنے آپ کو منظم رکھنے کا احساس رہتا ہے وہ نشیات کے چکر میں آسانی سے نہیں آتے۔ والدین ایسے احساسات اپنے بچوں میں پیدا کر سکتے ہیں سوال یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں بچوں کے لئے کیسی مثالیں قائم کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بچوں کو احساس دلائیں اور بتائیں کہ وہ خود اس لعنت سے پاک ہیں یعنی انہوں نے اپنے آپ کو اس کی لدت سے دور رکھا ہے۔

-- بچوں کو چھوٹی عمر سے بتائیں کہ نشیات خطرناک ہوتی ہیں۔ ان کا استعمال غلط ہے، نقصان دہ ہے اور غیر قانونی ہے۔ مذہبی بھی یہ گناہ ہے کیونکہ اسلام میں واضح طور پر اس کی ممانعت ہے۔

-- بچوں کو تنظیم کی اہمیت بتانے کے لئے اس کا احساس دلانے کے لئے ان پر موٹی ذمہ داریاں ڈال کر اور یہ بتا کر کہ نتائج کے وہ جوابدہ ہونگے، بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

-- بچوں کو یہ بتا کر حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ اگر وہ اپنے اعتقاد پر قائم رہیں اور اگر کوئی ان پر نشیات کے استعمال کے لئے دباؤ ڈالے یا انہیں کسی طرح کی ترغیب

دے تو وہ اسکے چکر میں نہ آئیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان میں اور اپنے معاشرے میں سرخ رو ہونگے۔ یا احساس ان میں پیدا کیا جاسکے تو سمجھئے آپ کا بچہ، بیٹا یا آپ کی بیٹی مشکل ہی سے اس دلدل میں پھنس سکے گی۔

-- یہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ والدین یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ اپنے بچے کی حرکات اور سکنات پر نظر رکھے ہوئے ہیں، احتیاط سے وقتاً فوقتاً یہ معلوم کرتے رہیں کہ ان کا بچہ گھر سے باہر نکلتا ہے تو اپنا وقت کہاں اور کن لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے ہم عمر دوست اس کی طرح معصوم ہوں لیکن جن گھروں سے ان کا تعلق ہو دہاں کے چند لوگ نشیات کے عادی ہوں۔

-- اس سلسلے میں یہ بہتر ہوتا ہے کہ اپنے بچے کے دوستوں کے والدین سے بھی رابطہ رکھا جائے۔ اس سے بچے کی نشیات کی لعنت سے بچانے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

-- ہمارے یہاں ٹیلی ویژن اور وی سی آر کی جو وبا چلی ہے، اس پر بھی کڑی نظر نہ رکھی جائے تو یہ بچے کو غلط راستے پر لا کسکتی ہے۔ پاکستان میں فلموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں کو احتیاط سے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن بازار میں وی سی آر پر جو فلمیں کھلے عام ملتی ہیں، ان پر کسی قسم کی روک تھام نہیں ہے۔ انگریزی فلمیں تو اکثر ایسے مناظر سے بھری ہوتی ہیں جو ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لئے کسی پہلو سے بھی مناسب نہیں ہوتی ہیں۔ پڑوںی ملک کی بہت سی فلموں میں بھی ایسے ہی مناظر نظر آنے لگے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ گھر کے بچوں اور نوجوانوں کو بڑی احتیاط اور سوچ بوجھ کے ساتھ ایسی ویڈیو فلمیں دیکھنے سے روکا جائے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا جائے۔ صرف اگر اس کا خیال رکھا جائے کہ گھر میں کسی فلمیں لائی جا رہی ہیں تو یہ مسئلہ طے ہو سکتا ہے۔

-- بچہ دن کا زیادہ وقت اپنے سکول میں گزارتا ہے۔ اگر نہیں بھی گزارتا تو کم از کم اس پر اپنے اسامنہ کا اثر ضرور رہتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ والدین اور سکول کے عملے اور انتظامیہ سے بھی کسی نہ کسی طرح کارابطہ ضرور ہو۔ اس طرح جب بھی درسی پر گرام ترتیب دیئے جائیں، ان میں ایسے بہلو شامل کئے جاسکتے ہیں جو بچوں کو نشیات کے خطروں کا احساس دلا سکیں۔ ہمارے یہاں اس قسم کے رابطے کو وہ اہمیت نہیں

دی جا رہی ہے جو ضروری تھی۔ میں نے کینیڈ اور امریکہ میں ایسے رابطے کی بڑی حوصلہ افزائیں دیکھی ہیں جن کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔

-- اگر یہ پتہ چلے کہ کسی تعلیمی ادارے تک منشیات کی لعنت پہنچ چکی ہے اور اس کی انتظامیہ اس نجوسٹ کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے تو ایک سرپرست کی حیثیت سے، بچوں کے والدین کے روپ میں، آپ کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ آپ انتظامیہ کی ہر ممکن مدد کریں۔ دستِ تعاون بڑھاتے ہوئے کسی بھی مصلحت کا شکار نہ ہوں۔

اس عمل اور ایسے ہی پروگرام میں مکمل طور پر کامیابی سے شرکت کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو تمام قسم کی منشیات کے بارے میں صحیح معلومات ہوں۔ اس کے ساتھ آپ ان علامتوں سے بھی واقف ہوں جو انکے چنگل میں پہنچنے ہوئے پہنچ یا مریض میں پیدا ہوتی ہیں تاکہ آپ فوراً ہی ہوشیار ہو کر اس کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر خدا نخواستہ کبھی اپنے یا کسی پڑوسی کے پہنچ یا بچی میں ایسی کوئی علامت نظر آئے تو اسی مرحلے پر اس کا علاج ہو سکے۔

اس سلسلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ والدین مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائیں۔

-- یہ جاننے کی کوشش کریں یا ہر وقت چونکے رہیں کہ آپ کے محلے پر منشیات کا دیوتو نازل نہیں ہوا؟ یا یہ کہ جس سکول میں آپ کے پہنچ پڑھ رہے ہیں وہاں تک یہ مصیبت نہیں پہنچی۔

-- جب بھی کسی تعلیمی ادارے میں منشیات کی روک تھام کے سلسلے میں کوئی پروگرام ہو، کسی مذاکرہ میں تبادلہ خیال کے لئے بچوں کے والدین کو مدعو کا جائے تو آپ ان میں ضرور شرکت کریں۔ اس طرح آپ کی معلومات تازہ رہیں گی اور سکولوں کے انتظامیہ، اساتذہ اور دوسرے والدین کو بھی پتہ چل جائے گا کہ آپ کو اس مسئلے سے دچپی ہے۔ اس طرح باہمی رابطے کو تقویت ملے گی۔

-- ایسے والدین کو جنہیں شک ہو جائے کہ انکا بیٹا اس لعنت کا شکار ہو گیا ہے، انہیں اپنے غم یا جھنگلاہٹ پر قابو رکھنا ہوگا۔ بعض اوقات لوگ معاشرے میں بدنامی یا کسی ڈر سے تھائق کو جھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی یہ جھوٹی شرم ہمیشہ مہنگی پڑتی ہے۔ یہ

لخت تو ایسی ہے کہ اسے جتنی جلدی ہو سکے، بغیر وقت ضائع کئے مان لینا چاہئے اور اس کے وجود سے ڈر کر فوراً کوئی نہ کوئی مناسب قدم اٹھانا چاہئے۔ جتنی جلدی کی جائے گی اتنے ہی مسائل کم ہو جائیں گے اور اس پر قابو پانے میں اسی کی مناسبت سے آسانی پیدا ہو گی۔

۔۔۔ اگر کسی کوشک ہو جائے کہ اس کا بیٹا کوئی نہ کوئی نشہ آور دوا استعمال کر رہا ہے تو اسے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانے چاہئیں۔

۔۔۔ انہیں چاہئے کہ وہ فوری طور پر کوئی مناسب منصوبہ بنائے کر اس پر عمل کریں۔ پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ وہ فوراً بچ کے سکول کی انتظامیہ سے رابطہ قائم کریں اور ساتھ ہی دوسرے والدین سے بھی ملیں۔

۔۔۔ اپنے بچے سے جب اس شک کے بارے میں با تین ہوں تو ہبہ نرم ہو اور غصے کی جھلک ہرگز نہ ہو۔ اس سے پوچھ گئے ہرگز ان حالات میں نہ کریں جب وہ نشے کے زیر اثر ہو۔

۔۔۔ جب یقین ہو جائے کہ واقعی وہ اس کا شکار ہے تو اس پر ایسی پابندیاں لگائیں جن کی وجہ سے بچہ ان حالات یا اس ماحول سے دور رہے جن کی وجہ سے وہ اس کا شکار ہوا۔ اس طرح آپ اسے دوبارہ اس دلدل میں چھنسنے سے بچا سکیں گے۔

۔۔۔ اپنے بچوں کو اس سے مکمل طور پر چھکارہ دلانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ فوراً ایسے مشہر لوگوں سے یا ڈاکٹروں سے رجوع کریں جو ایسے مریضوں کی بجائی کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ماہر ان رائے، مشورے اور علاج کے طریقے ہی مکمل طور پر مفید ثابت ہوں گے کیونکہ ایسے مریضوں کا علاج پیشہ ور ماہر کر سکتے ہیں۔

۔۔۔ اگر آپ کو پتہ چلے کہ آپ کا بچہ تو محفوظ ہے لیکن یہ لخت اس کے سکول تک پہنچ گئی ہے تو آپ خاموش نہ رہیں۔ سکول کی انتظامیہ تک اپنی معلومات پہنچائیں اور یہ جانے کی کوشش کریں کہ کس حد تک یہ معاملہ پہنچا ہے اور اس کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

اب تک تو ہم والدین کی ذمہ داریوں کی با تین کرتے رہے ہیں۔ اب میں مختصر اسکول کی ذمہ داریوں کا بھی ذکر کروں گا۔

جب یہ اطلاع ملے کہ کسی شہر میں لوگ اس کا شکار ہو رہے ہیں تو اسکول والوں کو

چاہئے کہ وہ گنام سروے و ققا فو قتا کرواتے رہیں۔ اس سروے کو صرف اپنے طلباء اور طالبات اور اساتذہ اور سکول کے دوسرے عملے تک محدود رکھیں۔ نشیات کی روک تھام کے سلسلے میں جو بھی سرکاری ادارے کام کر رہے ہیں ان سے تعاون حاصل کرنا ضروری ہے۔

اس طرح ان علاقوں اور ذریعوں کا پتہ چل سکے گا جہاں نشیات استعمال ہو رہی ہے یا جہاں اس کی خرید و فروخت کا ذیل اور خطرناک کام جاری ہے۔

اس سروے اور جانچ پڑتال کے جو بھی نتیجے نکلیں انہیں، کسی فرد کا نام ظاہر کئے بغیر معاشرے کے اہم اور ذمہ دار لوگوں تک پہنچا میں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ نشیات کے خطرے کوٹا لئے یاروکنے کے لئے کوئی خاص سکول یا ادارہ کیا کچھ کر رہا ہے اور کس انداز سے کر رہا ہے۔ اس طرح دوسرے ادارے بھی ان طریقوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سکول کی انتظامیہ کو چاہئے کہ خطرے کی گھنٹی سنتے ہی واضح طور پر ایسے قوانین لائگو کرے جو صاف صاف ظاہر کریں کہ سکول کے احاطے میں نشیات کی تجارت یا اس کے استعمال پر مکمل پابندی ہے۔ اگر ایسے جرم میں ملوث کوئی رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو اسے کس قسم کی کڑی سزا دی جائے گی اس کیوضاحت بھی ہونی چاہئے۔ یہ پابندی طلباء، طالبات اور اساتذہ یا سکول کے دوسرے غیر تدریسی عملے سب ہی پر ہونی چاہئے۔

ایسی پالیسی کی مندرجہ ذیل خصوصیات ضروری ہیں۔

-- یہ واضح کریں کہ نشیات کن کن یا کس قسم کی دواوں کو کہا جاتا ہے، کون کون سی اشیاء اس کے تحت آتی ہیں۔

-- سکول کے احاطے سے انتظامیہ کی مراد کیا ہے، اس کیوضاحت بھی کریں۔

اگر سکول سے باہر سکول ہی کی ملکیت میں کھلیل کوڈ کے میدان آتے ہوں تو واضح کریں کہ یہ پابندی وہاں بھی ہوگی۔

-- اگر کسی بچے نے پہلی بار کوئی نشہ آور دو استعمال کی ہے تو یہ واضح ہونا چاہئے کہ انتظامیہ کیسے اقدام اٹھائیگی۔ --- مثلاً یہ کہ

سب سے پہلے وہ اس بچے کے والدین سے ملنے کا انتظام کریگی۔ اس ملاقات میں تحریری یقین دہانی لینی ہوگی کہ چونکہ بچہ واقعی اس میں گرفتار ہو گیا ہے، اس نے

والدین گھر پر اس پر کڑی نظر رکھیں گے اور ساتھ ہی یہ کہ وہ کسی پیشہ ور ماہر سے اس کے علاج کا انتظام کریں گے اور اس علاج کے جو بھی نتائج نکل رہے ہوئے، ان سے انتظامیہ کو باخبر رکھیں گے۔

اگرچہ نہیں سدھرا یا اس کی عادتیں نہیں بدلتیں تو اسے سکول سے نکالا بھی جاسکے گا۔ بعض صورتوں میں اگر جانتے بوجھتے کوئی دوسرا سکول یا تعلیمی ادارہ اسے قبول کرنے کو راضی ہو تو اسے وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔

اگر ان اقدام کے بعد بھی لڑکا اپنی حرکتیں نہ چھوڑے یا وہ منشیات کے استعمال یا خرید و فروخت کے ذیل کاموں میں ملوث رہے تو یہ واضح کر دیجئے کہ پھر اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

— اس سلسلے میں بعض احتیاطی تدابیر ضروری ہیں۔ اول تو یہ کہ آپ کو یعنی سکول والوں کو چاہئے کہ وہ ایسی تدابیر اختیار کرنے سے پہلے اپنے قانونی مشیر سے ضرور مشورہ کر لیں تاکہ انتظامیہ کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جو بھی قدم اٹھا رہی ہے، کہیں وہ کسی پہلو سے بھی شخصی آزادی کے خلاف تو نہیں، غیر قانونی تو نہیں۔

— ایسی پالیسی پر عمل شروع کرنے سے پہلے معاشرے کے اہم لوگوں سے مشورہ بھی مفید ہوتا ہے تاکہ کسی مرحلے پر انتظامیہ کو کسی مشکل کا سامنا ہو تو کم از کم اسے عوام کی ہمدردی اور ان کی حمایت حاصل ہو۔ اس سلسلے میں بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے اگر انتظامیہ اپنی پالیسی کے بارے میں کسی کھلے اجلاس میں با اثر لوگوں سے تبادلہ خیال کرے تو بہتر ہو گا۔

اس سال میں میں مجھے کئی امریکی سکولوں کے دورے کا موقع ملا۔ وہاں منشیات کی روک تھام کی پالیسی پر جس طرح عمل کیا جا رہا ہے وہ مجھے اچھا لگا۔ ہم بھی اسے تھوڑی بہت روبدل کے بعد پاکستان میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس پالیسی کی چند اہم شریں یہ ہیں۔

— سکولوں کے احاطے میں ہر کسی کے داخلے پر پابندی ہے۔ وہاں صرف اساتذہ، سکول کا عملہ، طلباء، طالبات اور ان کے والدین ہی آ جا سکتے ہیں۔ اس طرح منشیات کی تجارت میں ملوث لوگ کم از کم سکولوں کے احاطے میں اپنا ذیل کام نہیں کر سکتے۔

سکتے۔

-- جہاں اس عذاب کی موجودگی کا پتہ چل گیا ہے، اس سکول میں ہر جائز آنے والے کو پاس دیا گیا ہے، یہ پاس دروازے پر بیٹھے چوکیدار کو دکھائے بغیر کوئی سکول کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔

-- سکول کے باہر، تعلیمی اوقات میں، پولیس گشت کرتی رہتی ہے تاکہ کسی بھی مشتبہ شخص کو دیکھ کر اسے فوراً روکا جاسکے اور اس طرح سکول محفوظ رہ سکے۔

اکثر سکولوں کی انتظامیہ نے منیشن کی روک تھام کے سلسلے میں اپنے منصوبوں کی ایک کالپی شائع کر لی ہے جو مفت ہر طالب علم کو اور اسکے والدین کو دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ مقامی لا بیری یوں کو بھی اس منصوبے کی کاپیاں فراہم کی گئی ہیں تاکہ لوگ لعلم نہ رہیں۔

ہر سال انتظامیہ پیشہ ور ماہرین کا ایک جلسہ کرتی ہے جس میں اس خاص سکول کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا اس پر تادل خیال ہو اور ساتھ اپنے منصوبے کو بہتر بنانے کے لئے اگر کوئی مناسب مشورہ ملے تو اسے بھی شامل کر کے دوبارہ اسے کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔

ایسے سکول، جو پاکستانی معیار سے پرائزیری اور سینڈری کھلانے جاسکتے ہیں، ان میں منیشن کی روک تھام کو نصابی کتابوں کا ایک حصہ بنادیا گیا ہے۔ جو واضح طور پر طالب علم کو سمجھاتی ہے کہ منیشن کا استعمال نہ صرف ہر پہلو سے غلط ہے بلکہ یہ بے حد نقصان دہ بھی ہے۔ اس کی روک تھام خود طالب علم کے لئے، اس کے خاندان والوں کے لئے اور اسکے معاشرے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

ایسے نصاب کے مقاصد کو سمجھاتے ہوئے ایک ماہر تعلیم نے مجھے بتایا کہ ان اقدام کی وجہ سے وہاں کسی حد تک کامیابی ہوتی ہے۔ واشنگٹن ڈی سی کے ایک سرکاری افسر کی رو سے ایسی نصاب کے چند اہم مقاصد یہ ہیں۔

-- طالب علم کی جسمانی صحت کا تحفظ۔

-- طالب علم کو یہ سمجھانا کہ منیشن کی روک تھام کے بارے میں جو قوانین لائگو ہیں ان کا احترام اس کے لئے ضروری ہے۔

-- طالب علم کی قوت مزاحمت کو تو قین پہنچانا تاکہ اگر اس پر نشہ آور دوائے استعمال کے لئے کسی پہلو سے بھی دباؤ ڈالا جائے تو وہ کس طرح اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

-- سب سے اہم یہ کہ مکالوں میں ایسی سرگرمیوں کا اضافہ ہو جن میں ہر عمر کا طالب علم شریک ہو کر اپنا وقت بڑے صحتمندانہ انداز میں گزار سکے۔ اگر اسے اپنا فالوقت بہتر طور پر گزارنے کے موقع برآ بر ملتے رہیں تو وہ بڑی حد تک اپنے بھی مسائل میں الجھ کر فرار کے لئے نشیات کا سہارا نہیں لے گا۔

تمام بڑے بڑے امریکن مکالوں میں نصاب تیار کرتے ہوئے اس کا خیال رکھا جانے لگا ہے کہ تجاویز پیش کرتے ہوئے انہیں مختلف کلاسز اور مختلف عمروں کے بچوں کی ضروریات اور ذہنی معیار کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

نصاب کی بنیاد کو بعض حقوق پر رکھا گیا ہے مثلاً اسے تیار کرتے ہوئے اس پر غور کیا جاتا ہے کہ وہ وجہات یا محکمات کیا ہیں کہ ان کے زیر اثر کوئی طالب علم نشیات کا سہارا لیتا ہے یا اس کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہر معاشرے میں، ہر طبقے میں مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا جواب مل جائے تو پھر ان تمام اثرات اور اس دباؤ سے طالب علم کو حفاظت رکھنے کی ترکیبیں بھی میعنی کی جاسکتی ہیں۔

امریکہ میں میں نے اپنے محدود وقت میں تقریباً نصف درجن مکال دیکھے۔

اس لعنت کی روک تھام کے سلسلے میں وہاں جس انداز میں کام ہو رہا ہے اس کا بھی جائزہ لیا۔ یوں تو ہر اسکول کی تدبیر علیحدہ تھیں جو غالباً مقامی حالات اور ضروریات کے تحت اختیار کی گئی تھیں، لیکن ایک بات جو سب کے یہاں مشترک تھی وہ یہ تھی کہ طالب علموں کی تربیت کے ساتھ ساتھ وہاں اساتذہ کو بھی برابر تربیت دی جاتی تھی تاکہ وہ موقع ہی پر ایک ماہر کی طرح روک تھام کی کوشش کر سکیں۔ ان کا ترمیتی کورس جس حد تک تفصیلی اور جامع ہے ویسا ہمارے یہاں ممکن نہیں۔ اس کے لیے نہ ہمارے وسائل ہیں اور نہ فی الحال ہماری حکومت ایسے اکثر سماجی اداروں کو اس خطروہ کا مکمل طور پر احساس ہے۔ پھر بھی کم از کم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ہر اسکول کے ہر استاد کو وہ تمام بنیادی باتیں بتائی جائیں جن سے واقف ہو کر اپنے شاگردوں کی زندگی کو بتاہی سے بچا سکتے ہیں۔

امریکہ کے ایک بہت بڑے اسکول کے پنپل نے جب اپنے محدود وسائل کا

ذکر کیا تو مجھے پاکستانی اسکولوں کی زبوب حالی یاد آگئی۔ یہاں بھی جو بعض بڑے بڑے اسکول ہیں جہاں بڑی بڑی فنیں وصول کی جاتی ہیں وہ بھی اس پیانے پر نشیات کی روک تھام کا کام نہیں کر سکتیں جیسا کہ وہاں ہورہا ہے۔ اس امریکین پرنسپل نے مجھے بتایا کہ یہ مسئلہ اس قدر پھیل گیا ہے اور اس کی جڑیں اتنی تیزی سے گھری ہو گئی ہیں کہ اس پر قابو پانا اسکول کے انتظامیہ کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے اس نے معاشرے کی بااثر ہستیوں کا رخ کیا ہے، ان سے تعاون حاصل کیا ہے۔ حکومت اپنے طور پر بہت کچھ کرو رہی ہے لیکن اس کے اپنے مسائل اتنے ہیں کہ وہ تغییری ادارے کی مد نہیں کر سکتی۔ معاشرے کے مختلف طقوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل اقدام اٹھائے ہیں ان کا مشورہ ہے کہ معاشرے کے تمام طقوں میں آگاہی بڑھانے کے لیے، نشیات کے خطرے کا احساس ہو سکے۔

خبروں اور دیگر ابلاغ عامہ کی مدد اور تعاون حاصل کیجئے۔

ہر وہ قدم اٹھائیے جس کے نتیجے میں آپ کے ادارے کو عوام کا تعاون حاصل ہو سکے۔ ان کو ذہنی طور پر تیار کرنا ضروری ہے تاکہ انہیں بھی خطرے کی گھنٹی سنائی دینے لگے۔ قانون ناقذ کرنے والے تمام اداروں سے رابطہ رکھئے اور اپنے تعلقات کو گھرے اور وسیع کیجئے تاکہ ضرورت کے وقت بغیر وقت ضائع کئے اور سرخ فیتے کا شکار ہوئے وہ آپ کی مدد کو پہنچ سکیں۔

ہر شہر میں کم از کم بڑے بڑے شہروں میں ایسے پیشہ ور ماہرین یا ڈاکٹر ضرور ہونگے جنہوں نے نشیات کے مسئلہ پر خاصا کام کیا ہو۔ انہیں وقت فضایا اپنے اسکول میں مدعو کیجئے اور طلباء، طالبات اور اساتذہ سے ملنے اور تبادلہ خیال کرنے کے واقع پیدا کیجئے تاکہ وہ اپنے خیالات اور تحریکات میں ان سب کو شریک کر سکیں۔

مالی وسائل بڑھانے کے لئے اپنے شہر کے تمام بڑے اور روشن خیال صنعت کاروں سے رابطہ رکھئے، انہیں بھی خطرے کا احساس دلائیے اور ان سے ہر طرح کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، نشیات کا مسئلہ اب پاکستان میں بھی اس قدر گنگیہ اور پریشان کن ہوتا جا رہا ہے کہ اس پر قابوں پانے کے لئے بہت زیادہ مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ یہ رقم صنعت کاروں ہی کے پاس سے آسکتی ہے کیونکہ

آخران کی بھی اولاد ہے جن کے سروں پر عام شہری کے بچوں کی طرح نشیات کی خطرہ
منڈلار ہا ہے۔

والدین کے لئے کام کی باتیں

-- اپنے گھر کے لئے آپ ایک اصول بنائیے کہ آپ کی چھت کے نیچے نشیات کا استعمال کرنے والے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ دوسروے لفظوں میں آپ سختی سے یہ واضح کر دیں کہ اگر کبھی آپ کو پہنچے چلے کہ آپ کے کسی بچے نے نشہ آور دوا جکھی بھی ہے تو اس کے لئے آپ اپنے گھر کے دروازے بند کر دیں گے۔ آپ چاہے اس کڑے اصول پر عمل کریں یا نہ کریں، کم از کم اس کی دھمکی ضرور دیں۔

-- تمام قسم کی نشیات کے ہر پہلو کے بارے میں آپ مکمل معلومات حاصل کریں۔ ان کی تفصیلات سے لیس ہونے کے بعد جب ان کے خطرناک پہلوؤں کے بارے میں اپنے بچوں سے باتیں کریں اور انہیں خبردار کریں کہ تو ان کے جوابات دینے کی آپ میں صلاحیت ہو۔

-- دیکھایا یہ گیا ہے کہ عموماً بچوں اور ناطجہ بہ کارنو جوانوں کو نشیات کے چکر میں ڈالنے والے یا ان پر دباؤ ڈالنے والے سب سے زیادہ ان کے ملنے جلنے والے ہوتے ہیں، اس لئے آپ اپنے بچوں کے دوستوں کے بارے میں ہمیشہ باخبر رہیں۔ خاص طور پر اس کا خیال رکھیں کہ کہیں وہ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں سے تو میل ملا پ نہیں بڑھا رہے ہیں؟

-- دوسراے والدین سے بھی رابطہ رکھیں اور جب بھی اپنے بچے کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھائیں تو اس کی اطلاع اس کے قریبی دوستوں کے والدین کو ضرور دیں تاکہ وہ بھی ضرورت پڑنے پر اپنے مجرم بچے کو بالکل ویسی ہی سزا دے سکیں۔ یہ سزا کسی

طرح کی بھی ہو سکتی ہے۔ انہیں ایک خاص مدت کے لئے گھر کی چار دیواریں قید کر دیا جائے یا جیب خرچ بند کر دیا جائے۔ بعض اوقات بچوں پر ٹیلی ویژن نہ دیکھنے کی پابندی بھی موثر ہو سکتی ہے۔ ایک بار سزا کا فیصلہ کر لیں تو اس پرختنی سے عمل کریں، رحم کھا کر کسی مرحلے پر اس میں کمی نہ کر دیں۔

-- اگر کسی مرحلے پر کوئی مشکل اٹھ کھڑی ہو تو بغیر وقت ضائع کئے ایسے تجربہ کار ماہر سے مشورہ کریں جس سے آپ کھل کر بات کر سکتے ہیں۔ اگر یہ ماہر ایسا ہو جس کے لئے آپ کے بچے کے دل میں بھی احترام ہو تو آپ کی مشکل زیادہ آسانی سے حل ہو جائے گی۔

تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجموعی طور پر یا نوجوان اپنے آپ پر قابو رکھ سکتے ہیں اور غلط راستوں سے بچ سکتے ہیں جن میں خود اعتمادی ہو۔ ایسے لوگ عموماً کسی کے دباو میں مشکل میں آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک خطرہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ پر اعتماد نوجوان اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے لگتے ہیں اسی لئے منیات کے خطرے کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ لڑکے یہ سوچ کر انہیں پچھتے ہیں کہ ہم جب چاہیں، اس کے چکر سے نکل سکتے ہیں۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے بھی وہ ان کا استعمال شروع کر سکتے ہیں کہ وہ اور وہ کو دیکھا میں کہ ان میں وہ تمام صلاحیتیں ہیں جو بڑوں میں ہوتی ہیں اور جو مرد اگلی کی نشانیاں ہیں یا نشانیاں سمجھی جاتی ہیں۔ ایسے تمام خطروں کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے فالتوں وقت کو کس طرح استعمال کیا جائے کہ اس کی مصروفیت میں آپ بھی شریک ہو سکیں، اس کا سب سے کامیاب اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ آپ بچے ہی سے پوچھیں کہ اس کی پسند کے ایسے کون سے مشاغل ہیں جن میں آپ کی شرکت کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ایسے کئی مشاغل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آپ دونوں مل کر ٹیلی ویژن دیکھ سکتے ہیں، ریڈیو کے دلچسپ پروگرام سن سکتے ہیں، ٹیپ ریکارڈر پر اچھی موسیقی سے لطف اندوڑ ہو سکتے ہیں۔ جب اسے یہ احساس ہو جائے کہ آپ کو اس کے مشغلوں سے دلچسپی ہے تو پھر وہ آپ کو اپنا دوست سمجھنے لگے گا اور آپ پر اس کا اعتماد بڑھ جائے گا اور وہ آہستہ اپنے تمام مسائل کے حل کے لئے آپ ہی کا رخ کرے گا۔

اس سلسلے میں یعنی بچے کا اعتماد بڑھانے کے سلسلے میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ آپ اس کی غلطیوں کے لئے اسے انسان کا معموم بچہ سمجھ کر درگز رکنے کی صلاحیت اپنے میں پیدا کریں۔

چھوٹے بچوں کے لئے ان کے والدین ہی ان کے سب سے پہلے اور اہم اتنیں ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا بچہ کوئی غلطی کرے، یا اس کا کوئی فیصلہ آپ کی نظر میں غلط ہو تو آپ اس واقعہ کو اسے درس دینے کا، اس کی مدد کرنے کا ایک موقع سمجھیں۔ آپ اس سے اس کے اس تجربے کے بارے میں پوچھیں۔ اس کی رہبری کرتے ہوئے اسی سے پوچھیں کہ وہی کام یا وہی تجربہ کیا کسی اور طریقے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی غلطی کے احساس کے بعد خود ہی صحیح راستہ ڈھونڈ نکالے۔ اس سلسلے میں آپ کی ہمدردی اور رہبری اس کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

ایک اور اہم سوال بھی اس سلسلے میں ابھرتا ہے۔ اس کے ذہن میں آپ پر اعتماد کیسے پیدا کیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلی خود کریں اور بچے کو یعنی دلائیں کہ اس پر آپ کو پورا اعتماد ہے۔ بعض اوقات اس کی حفاظت کے لئے کوئی مناسب جواز ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ اپنے بچے کو اپنے سے قریب کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر یہ مرحلہ بھی آسان ہو جاتا ہے بچے کو احساس ہو جاتا ہے کہ اسے ایک خاص حد کے اندر رہ کر اپنی زندگی اپنی پسند سے گزارنے کی آزادی ہے۔ اسے اس کا احساس ہوتا ہے یہ حد و آپ کی مرضی سے گھٹ بڑھ سکتی ہیں۔ ہر صورت میں بھلا اسی کا ہے۔ جب وہ اس انداز میں سوچنے لگے تو سمجھئے کہ آپ کا بچہ آپ پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

بہت سے مسائل بچے کو تحقیقی ذمہ دار یوں کے ہلکے بوجھ تلے دبا کر حل کئے جا سکتے ہیں۔ میں اس کیوضاحت کرتا ہوں۔ جب بچوں پر واضح طور پر گھر بیلوں کا مول کی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جائے تو اسے احساس ہو جاتا ہے کہ گھر چلانے میں وہ بھی برابر کا شریک ہے۔ یہ احساس اس کی خود اعتمادی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اگر بچے کو ایسی ذمہ داریاں دی جائیں جنہیں پورا کرنے میں اسے اپناذ ہن بھی استعمال کرنا پڑے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہو گا۔ اس طرح چھوٹی عمر سے اس میں غور فکر کا مادہ پیدا ہو گا۔

بچے کی کوشش کی بھی داد دیجئے، صرف اس کی کامیابیوں کی ہی نہیں۔ کسی بھی کام

میں اول پوزیشن حاصل کرنا اہم تو ہے لیکن اس سے اہم نہیں کہ بچے نے اس کام کو حتیٰ المقدار بہترین طور پر کرنے کی کوشش کی۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ بچے نے کامیابی حاصل کرنے کی کس حد تک کوشش کی وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے والدین نے اس کی کوششوں کو کس حد تک سراہا۔

پہلے یہ جانے کی کوشش کیجئے کہ آپ کے بچے کو کس چیز میں دلچسپی ہے، اور وہ کس کام سے کس حد تک لطف انداز ہوتا ہے جب یہ پتہ چل جائے تو اسے اپنے پسند کا کام کرنے دیجئے اور اس کی اس سلسلے میں ہر طرح سے حوصلہ افزائی کیجئے۔ اسے اگر کوئی پریشانی ہو تو اس کا ذکر کئے بغیر تفریق کے اسے مناسب نت نے راستے دیکھائیے۔ مثلاً دلچسپ مشغلوں، جیسے تصویریں بنانا یا ڈاک کے نکٹ اور سکے جمع کرنا یا مشہور ملکی اور غیر ملکی کھلیاڑیوں کی تصویریں جمع کرنا۔ یہ سب وہ مشغلوں ہیں جو بچے کے ذہن کو مصروف بھی رکھتے ہیں اور اس کی معلومات میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

بچہ اگر کوئی غلطی کرتے ہوئے کپڑا جائے تو بچے پر اعتراض کرنے کی بجائے اس کے عمل کو برداشت کرنے کے لئے اس کے ساتھ کھنکھن کر کر کھوئے جائے۔ اس کے ساتھ ہی اسے سمجھائیے کہ اس کا فلاں کام کیوں قابل اعتراض تھا۔

جب بھی آپ اپنے بچے سے کسی موضع پر تبادلہ خیال کریں تو اسے کہی یہ احساس نہیں دلائیے کہ بعض ایسے موضوعات بھی ہیں جن پر بچہ آپ سے گفتگو کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی سوچ کو محدود کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔ بچے کو ہمیشہ یہ احساس رہنا چاہئے کہ وہ اپنے والدین سے کھل کر ہر موضوع پر باتیں کر سکتے ہیں۔ چاہے یہ نشیات سے متعلق ہوں، ملکی یا غیر ملکی سیاست سے یا جنس جیسے نازک موضوعات کے بارے میں ہوں۔ ایسے والدین جو چھنچلا کر موضوع بد لئے کی کوشش کرتے ہیں، یا غصہ سے اسے چھڑک دیتے ہیں وہ اپنے بچے کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ اس سے صرف چند گنے پنے، آپ کے من پسند م موضوعات ہی کے بارے میں اس سے بات چیت کر سکتے ہیں۔

جب کسی بچے یا نوجوان کو یہ احساس ہو جائے تو وہ اپنے خول میں چلا جاتا ہے اور کہی والدین کو رازدار نہیں بناتا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اپنی ذاتی الجھنوں کا حل وہ والدین کی جگہ کسی اور سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کوئی اور، اسے اپنے اعتماد میں لے کر

غلط راستے پر بھی لگا سکتا ہے۔

میں نے مندرجہ بالا تفصیلات کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے
کہ منشیات کا ذلیل کا رو بار کرنے والے عموماً ایسے ہی بچوں اور نوجوانوں کی تلاش میں
رہتے ہیں جن کی گھریلو زندگی میں پیار اور محبت اور خلوص کی کمی ہے، جہاں بچے ڈھنی طور پر
اپنے والدین سے دور ہوتے ہیں اور جو اپنے مسائل اور ذاتی انجمنوں سے نجات کے لئے
ان سے چھکارہ پانے کے لئے نادانستہ طور پر فرار کے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔
اس طرح وہ داخلی عناصر کو بھول کر خارجی قوتوں کا سہارا لیتے ہیں یہیں سے ان کی تباہی کی
راہیں استوار ہو جاتی ہیں۔

ایک چونکا دینے والا تجربہ

اب میں اپنے ایک ایسے دلچسپ تجربے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس نے مجھے غور و فکر کے لئے بہت سا مواد دیا۔ مجھے یہ تجربہ واشنگٹن ڈی سی کے ایک نوائی علاقے، ورجینیا(Virginia) کے ایک اسکول میں ہوا۔ یوالیں انفرمیشن ایجنٹی نے مجھے ہدایت کی کہ میں علی الصابح شہر سے خاصی دور ورجینیا کا وہنی پہنچ جاؤں اور جہاں کے بڑے تھانے میں ڈیلیکٹیو روزنبرگ سے ٹھیک آٹھ بجے ملوں۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو روزنبرگ(Rosenburg) کو اپنا منتظر پایا۔ انہیں پہلے سے اطلاع تھی کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کس مقصد کے لئے واشنگٹن ڈی سی میں یوالیں انفرمیشن ایجنٹی (U.S Information Agency) کا مہمان ہوں۔

رسی گفتگو اور تعارف کے بعد مسٹر روزنبرگ نے مجھے ایک ایسے سرکاری پروگرام کی تفصیلات بتائیں جس کا مقصد بچوں کو منشیات کی لعنت سے محفوظ کرنا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کی ذہنی تربیت اس طرح کی جائے کہ ان کے تعلیمی ادارے اس لعنت سے پاک ہو جائیں۔ یہ سارا پروگرام ڈیرے (Dare) کہلاتا ہے یہ لفظ مخفف Drug Abuse Resistance کا۔ یہ ایک انسدادی پروگرام ہے جس کا مقصد منشیات کی روک تھام ہے۔ اس کا سب سے اہم مقصد نوجوانوں میں ایسی صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ نشہ آور دواؤں کے چکر میں نہ آئیں اور ان میں اتنی قوت مزاحمت پیدا ہو جائے کہ وہ کسی بھی دباؤ کا مقابلہ کر سکیں اور خود کو محفوظ کر سکیں۔ اس پروگرام کا ایک اور دلچسپ اور انوکھا پہلو یہ ہے کہ اسے عملی طور پر چلانے والے اور بچوں

اور نوجوانوں کی رہبری کرنے والے معلم سب کے سب پولیس کے افسر ہیں۔ ڈیلٹیکٹو روز
نمبرگ انہی میں سے ایک تھے۔

پہلے آپ ڈیر (Dare) کے تحت دیئے جانے والے نصاب کے بارے میں

چند مختصر سی باتیں ملاحظہ فرمائیے۔ ان کے نصاب کے چاراہم پہلو ہیں:

-- سب سے پہلا یہ کہ طلباء کو منشیات کے بارے میں بنیادی باتیں بتانا۔

-- دوسرا یہ کہ طلباء کو وہ طور طریقے سکھانا یا اس کی صلاحیت ان میں پیدا کرنا جس کا سہارا لے کر وہ بڑی آسانی سے ایسے تمام مسائل کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر سکیں جن کا تعلق ان کی ذات سے ہو۔

-- تیسرا یہ کہ انہیں سکھانا کہ وہ کس طرح کسی مقصد کے لئے بھی دوسروں کے دباو میں نہ آئیں۔

-- اور آخر میں چوتھا یہ کہ انہیں ایسے تمام متبادل تصورات سے مالا مال کرنا جو منشیات کی جگہ لے سکیں اور ان تمام وجہات کا توڑ ہوں جن کیلئے انسان منشیات کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔

اس پروگرام کو چلانے والے و شفیع ڈی سی کے قریبی علاقوں میں پندرہ ایسے علاقے پھنسے گئے ہیں جہاں ایک سے زیادہ معیاری اسکول ہوں۔ اس کے بعد ان علاقوں کے صدر تھانوں میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ پولیس افسروں کا تقرر ہوا جو منشیات کی روک تھام کے ماہر ہوں۔ ساتھ ہی جنہیں اسکولوں میں چھوٹے بچوں کو پڑھانے کا تجربہ بھی ہو۔ یہ تمام خصوصیات مجھے ڈیلٹیکٹو روز نمبرگ میں نظر آئیں۔ جب ایسے افسروں کا تقرر ہو گیا تو پھر ان میں سے ہر افسر کے ذمے سات اسکول دیئے گئے جہاں وہ ہفتے میں دو یا تین بار جا کر باقاعدہ کلاس لینے لگے۔

اس طرح ہر اسکول کو DARE نے مندرجہ ذیل سہولتیں مہیا کیں۔

-- ایک خاص تربیت یافتہ پولیس افسر کی خدمات جو اپنی وردی میں بغیر کسی ہتھیار کے جاتا ہے اور اپنے درس کی ابتداء ہفتے میں ایک کلاس سے کرتا ہے۔ بعد میں اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

-- وہ پانچویں اور چھٹی کلاس کے بچوں کو سب سے پہلے درس دیتا ہے۔ ہر

کلاس پینٹالیس منٹ سے ایک گھنٹے تک کی ہوتی ہے۔

-- بڑی کلاسوں میں بھی وہ وقت فوتا جاتا ہے اور وہاں بھی درس دیتا ہے لیکن ایسی کلاسوں کا دورانیہ بیس منٹ کا ہوتا ہے۔

-- اس افسر کو کھانے کے وقت میں بچوں سے تبادلہ خیال کے موقع بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ وہ ان سے ان کے کلاسوں، اسکول کی کہنیں یا کھیل کو دے کے میدانوں میں ملتا ہے اور بڑے دوستاخانے ماحول میں با تمیں ہوتیں ہیں اس طرح جب تک اسکول میں پڑھائی ہوتی ہے وہ پولیس افسروں ہیں موجود رہتا ہے۔ کبھی کوئی نہ کوئی کلاس لیتے ہوئے یا کبھی فرصت کے لحوم میں بچوں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

-- بچوں کو درس دینے کے ساتھ ساتھ وہ وقت فوتا جاتا ہے اس اسماں میں درس دیتا ہے۔

اس پرور گرام کی کامیابی کا مجھے اس وقت احساس ہوا جب میں مسٹر روزنبرگ کے ساتھ تھا نے کے ایک قریبی اسکول میں گیا۔ میری آمد کی وہاں بھی پہلے اطلاع دی گئی تھی جس کی وجہ سے اسکول کی پرنسپل اور وہاں کی انتظامیہ نے ہر طرح سے میرے ساتھ تعاون کیا اور مجھے قابل قدر معلومات فراہم کیں۔ ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو پاکستان میں بھی مفید ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ یہاں کے بڑے بڑے اسکول چلانے والے ادارے آئندہ نسلوں کے تحفظ کے لئے اپنا کچھ سرمایہ اس نیک کام میں خرچ کریں۔

مسٹر روزنبرگ نے تھانے میں مجھے DARE کے بارے میں پہلے بہت سی تفصیلات بتائیں اور پھر وہ رنگ برلنگ پوسٹ اور کتابچے وغیرہ دیکھائے جو بچوں کے لئے بطور خاص تیار کئے گئے تھے۔ اس کے بعد وہ مجھے ایک علیحدہ کمرے میں لے گئے جہاں میرے ساتھ ایک بڑا چونکا دینے والا واقعہ ہوا۔ دورازہ کھول کر میں جوں ہی اندر داخل ہوا کسی نے بڑی صاف انگریزی میں میرا نام لیتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ کمرہ چھوٹا سا تھا اور ہلکے نیلے رنگ کی روشنی تیز نہیں تھی۔ چند لمحوں بعد جب اس روشنی سے میری آنکھیں مانوں ہوئیں تو میں نے ایک بار پھر چونک کر دیکھا ایک قد آدم رو بات (Robot) خراماں خراماں چلتے ہوئے میرے قریب آیا، مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میرا نام

لے کر اپنا تعارف کرایا!

”ڈیمکٹیو روزنبرگ نے بتایا کہ موصوف کا وزن نوسو پاؤ نہ ہے اور ابھی تھوڑی دیر میں ایک چھوٹ سے کرین انہیں اٹھا کر ان کی ایک مخصوص گاڑی میں بٹھائے گی اور یہ بھی ہمارے ساتھ آج اس اسکول کا دورہ کریں گے جہاں میرے دورے کا انتظام کیا گیا ہے۔

اس سے پہلے میں کچھ کہتا رو بات صاحب بولے۔

”مجھے انگریزی کے علاوہ اسپینش بھی آتی ہے۔ آپ چاہیں تو میرے بارے میں یا DARE پر گراموں کے بارے میں ان دونوں زبانوں میں تبادل خیال کر سکتے ہیں۔ مجھے صرف کل شام اطلاع دی گئی تھی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور پاکستان سے آئے ہیں۔ اگر مجھے اور ذرا وقت ملتا تو میں اردو سیکھ لیتا۔ مجھے معلوم ہے آپ کی قومی زبان اردو ہے۔ آپ لوگوں نے واشنگٹن ڈی سی کی طرح ایک نیا اور خوبصورت شہر اسلام آباد بسا کر اسے اپنے ملک کا دارالحکومت بنایا ہے۔ میں ہر زبان تیزی سے سیکھ لیتا ہوں۔“

ابھی میری حیرانی کم نہیں ہوئی تھی کہ وہ روزنبرگ کی طرف مڑا اور کہا۔

”اسکول کا وقت ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ چلنے کا انتظام کیجئے نا، وہاں پہنچ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے!“

ان رو بات صاحب کے ساتھ میرا تجربہ اس قدر لچک پر رہا کہ اس پر ایک علیحدہ مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ موصوف نے مجھے اسکول پہنچ کر بھی حیران کر دیا۔ جس کلاس میں مجھے لے جایا گیا وہاں کے بچوں کی عمریں نو دس سے زیادہ نہ تھیں۔ ان میں سفید فام بھی تھے اور سیاہ فام بھی۔ لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ دو بچیاں مجھے چینی یا جاپانی نژاد نظر آئیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد جب مختلف بچوں سے میں با تین کرنے لگا تو رو بات نے مغدرت کے ساتھ مجھے روکا اور ہاتھ کے اشارے سے ایک بچے کو اپنی طرف بلا یا۔ اس کا رنگ ساوٹلا تھا اور ناک نقشہ ایسا تھا کہ شلوار قمیض پہنادیتے تو وہ پاکستانی لگتا۔

جب بچہ قریب آیا تو رو بات نے بڑی روائی سے، اس سے اسپینش میں با تین کرنی شروع کر دیں جو میری سمجھ میں نہیں آئیں لیکن جس طرح وہ لڑکا شرم کر جواب دے

رہا تھا اور جس طرح کلاس کے بہت سے دوسرے بچے ہنس رہے تھے اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ دونوں کی گفتگو بڑی دلچسپ ہے۔

چند لمحوں تک بچے سے باتیں کرنے کے بعد وہ میری طرف مڑا اور انگریزی میں بولا۔ ”معاف کیجئے۔ میں اس بچے کی مادری زبان میں بتا رہا تھا کہ وہ تیزی سے موٹا ہو رہا اگر اس نے ورزش نہیں کی تو بڑے ہونے پر کوئی بھی معقول لڑکی اس سے شادی نہیں کرے گی!“

یہ کہتے ہوئے موصوف خود ہنس پڑے۔

خود بخود یہ کس طرح ایک زبان بولتے بولتے دوسری میں گفتگو شروع کر دیتے تھے یہ میرے لئے بڑی ہی حیران کن بات تھی۔ بعد میں جب روزنبرگ نے مجھے زمین دوڑ ریلوے، میٹرو کے اسٹیشن سے قریب اپنی کار سے اتارتا تو میں نے اس حیرت انگیز عجوبے کی قیمت پوچھی تو پہتہ چلاتقریباً ایک لاکھ ڈالر ہے یعنی میں باعثیں لاکھ روپے!

اب میں اس مرحلے پر آپ کو دوبارہ ورجینیا کاؤنٹی کے پولیس اسٹیشن لئے چلتا ہوں جہاں سے ہم تقریباً دو گھنٹے پہلے روانہ ہوئے تھے۔ DARE کے بارے میں تمام تفصیلات اور اعداد و شمار بتانے کے بعد ہم اسکول جانے کے لئے کار میں بیٹھنے لگے تو روزنبرگ نے کہا۔

”بچے عموماً پولیس والوں سے ڈرتے ہیں۔ جب وردی پہنی کر کوئی پولیس والا کسی محلے میں یوں ہی چلے جاتا ہے تو بچے اس سے دور بھاگتے ہیں۔ لیکن اب آپ دیکھئے گا کہ وہ آج اسکول کے دروازے ہی پر میرا کس گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں حالانکہ میں بھی اپنی نیلی وردی میں ہوں اور سب میری گاڑی پہنچانتے ہیں۔ میری مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ میں ان سے ان کے دوست اور ہمدردی کی حیثیت سے ملتا ہوں۔ ان کے آپس کے جھگڑے چکاتا ہوں۔ ان کے مسائل حل کرتا ہوں۔ پڑھنے کے لئے اچھی اچھی کتابیں مفت دیتا ہوں۔ وقتاً فوقاً کھیل کوڈ کے علاوہ مصوروی اور کہانیاں لکھنے کے مقابلے کرتا ہوں اور اول آنے والوں کو قیمتی چیزیں انعام دیتا ہوں۔ ان میں مفید اور معلوماتی کتابیں بھی ہوتی ہیں،“۔

”کیا ان کے موضوعات نشیات کے بارے میں ہوتے ہیں؟“ میں نے

پوچھا۔

” بالکل نہیں۔۔۔ آپ نے دیکھ لیا تا، جو کتا بچہ ہم مفت تقسیم کرتے ہیں اور جو DARE ماہرین سے لکھواتا اور پوچھاتا ہے ان میں بھی براہ راست منشیات کا ذکر کم ہوتا ہے تو اس دلچسپ انداز میں کہ بچہ اسے نصیحت سمجھ کر ٹھکرنا نہیں دیتا۔ کلاس میں جس انداز میں آج گفتگو ہو گی، اس سے بھی آپ کو احساس ہو جائے گا کہ ہمارے درس کے طریقے کیا ہیں۔ ہمارے ماہرین نے سب سے پہلے یہ غور کیا ہے کہ آخر کوئی بچہ یا نو عمر منشیات کی آغوش میں کیوں پناہ لیتا ہے؟ ایسی کون سی باتیں ہیں خارجی اور داخلی خیالات جن کی وجہ سے یہ معصوم منشیات کو حقائق سے فرار کی ایک پرسکون راہ سمجھتے ہیں؟ ان تمام باتوں کو ڈھن میں رکھ کر یہ خصوصی نصاب تیار کیا گیا ہے۔ میری طرح جتنے پولیس آفیسر اس جگہ میں شریک ہیں سب کے سب تعلیم یافتہ ہیں اور ہم میں سے نوے فی صد کو اسکولوں میں چھوٹی عمر کے بچوں کو پڑھانے کا تجربہ ہے۔“

جب تک وہ باتیں کر رہا تھا اس کی کار آہستہ آہستہ چلتی رہی کیونکہ اسکول بہت قریب تھا۔ جوں ہی ہم اسکول کے احاطے سے باہر نکلنے کی انجام اجازت نہیں تھی۔ اس لئے سب اندر ہی کھلے میدان میں منڈلار ہے تھے۔ جیسے ہی ہم اندر داخل ہوئے وردی پوش ڈیبلیو رو زنبرگ کا اسی طرح استقبال کیا گیا جیسے گھر کے ہی خاندان کے کسی ہر دلعزیز بزرگ کا ہوتا ہے یا پھر کسی مشہور اور مقبول کھلاڑی یا فلم اسٹار کا۔

اسکول میں سب سے پہلے مجھے اس کی پرنپل سے ملوایا گیا جو ایک ادھیز مر خاتون تھیں جو بیس سال سے درس و تدریس سے وابستہ تھیں۔ انہوں نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ اسکول کی انتظامیہ منشیات کا درس دینے والے پولیس آفیسر کو ایک عام پولیس والے سے زیادہ ایک ماہر تعلیم سمجھتی ہے۔ اس لئے جب وہ ایک مرتبہ عام اسکول کے احاطے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس سے ایک خاص پولیس افسر کے فرائض کی توقعات نہیں کی جاتیں۔ یوں سمجھتے کہ اس کی حیثیت ہمارے ادارے کے دوسرے کسی استاد کی سی ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ وردی میں ہوتا ہے۔ ہم نے اس کی اجازت اس لئے دی کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی انفرادی حیثیت باقی رہے۔

اس پر میں نے پوچھا۔ ”انہیں کیسی سہولتیں دی جاتی ہیں؟“

”وہ تمام جو ہمارے دوسرے استادوں کو۔۔۔ مثلاً اس کے لئے ایک علیحدہ کمرہ ہے جہاں وہ چاہئے تو کسی بھی طالب علم کو علیحدہ بلا کر اس سے باتمیں کر سکتا ہے۔ اس کی ڈاک بھی یہیں آتی ہے۔ اکثر بچوں کے والدین اپنے مسائل کے حل کے لئے اس وقت فو قاتا خط لکھتے رہتے ہیں۔ بہت سے اس سے ملنے بھی آتے ہیں تو وہ ان سے اپنے علیحدہ کمرے ہی میں ملتا ہے۔“

واپسی کے وقت روزنبرگ نے مجھے بتایا کہ وہ صلاح مشورے کے لئے تمام دوسرے اساتذہ کی میٹنگیں تعلیمی سال کے ابتداء میں بلا تباہ ہے۔ اسی طرح والدین کو نشیات کے بارے میں ہر قسم کی معلومات فراہم کرنے کی غرض سے ان کی علیحدہ میٹنگوں کا بھی انتظام کرتا ہے اور اخباروں کے ذریعے اس کی تشریح بھی کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ والدین ان جلسوں میں شریک ہو سکیں۔

یہاں میں یہ واضح کر دوں کہ DARE پروگرام کے تحت کام کرنے والے یہ پولیس افسروں اور ان کی خدمات صرف اسی سماجی کاموں کے لئے وقف نہیں ہوتیں۔ وہ تو اپنے سرکاری فرائض کے اوقات کا صرف ایک خاص حصہ کسی نہ کسی سکول میں گزارتا ہے۔ بقیہ وقت وہ وہی کرتا ہے جو دوسرے پولیس افسروں کرتے ہیں یعنی جرائم کی روک تھام اور اپنے علاقے میں امن کی فضا قائم رکھنے کی کوشش۔ ڈیلٹیشور روزنبرگ کا علاقہ بھی امریکہ کے اور بے شمار علاقوں کی طرح مکمل طور پر امن کی جنت نہیں تھا۔ وہاں بھی چوریاں ہوتی تھیں دنگا فساد ہوتا تھا تسلی ہوتے تھے۔ ان سب سے بھی نہیں پڑتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مقامی اخبار والوں کو مکمل اور صحیح معلومات فراہم کرنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

واپسی سے پہلے مجھے اس خط کی ایک کاپی دی گئی جو علاقے کے لوگوں کو DARE کے بارے میں بتانے کے لئے بھیجی گئی تھی اور جس میں ترمیم کر کے ایک مختصر سے خبرنامے کی صورت میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ پہلا خط جس کی جھلکیاں میں آپ کو دیکھا و نگاہ دالنے کے زمانے میں ہر نئے داخل ہونے والے بچے یا بچی کے والدین کو دیا جاتا تھا تاکہ ان لوگوں کا مکمل تعاون حاصل کیا جاسکے اس خط کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے تاکہ آپ کو بھی غور و فکر کے لئے کچھ مواد مل سکے۔

”آپ کے اسکول اور مقامی قانون نافذ کرنے والے ادارے نے ورجینیا کے محکمہ تعلیم اور اسٹیٹ کی پولیس کے تعاون سے منشیات سے متعلق معلومات فراہم کرنے کا ایک پروگرام شروع کیا ہے تاکہ اس ابتدائی تعلیم دینے والے اسکول کے بچے اور بچیاں اس لعنت سے محفوظ رہ سکیں۔ اس پروگرام کا بنیادی مقصود صرف یہ ہے کہ طلباء کو بنیادی معلومات فراہم کی جائیں تاکہ وہ ہر طرح کی منشیات کو دیکھ کر پہچان سکیں اور اپنے آپ میں ہر طرح کے دباء سے بچنے کی قوت پیدا کر سکیں۔ اس پروگرام کا نام ”ڈرگ ایوز ریزائلنس ایجوکیشن“ یعنی ڈیر DARE ہے۔—

”Drug Abuse Resistance Education“ or DARE
یہاں ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے یا بچی کا اسکول اس پروگرام میں شمولیت کے لئے اس لئے نہیں چنا گیا کہ وہاں تک منشیات کی لعنت بچنے چکی ہے۔
اس کا انتخاب صرف اس لئے ہوا ہے کہ علاقے میں اس کی شہرت اچھی ہے یہ خاصاً ہے اور اسکول کی انتظامی اور مقامی پولیس کے مجھے کے مابین تعلقات بھی اچھے ہیں۔

جب ۱۹۸۶ء میں یہ پروگرام شروع کیا گیا تو اس میں شمولیت کیلئے پندرہ گروہ نواح کے علاقے پھنے گئے اور پھر ان کے مخصوص اسکول۔ اب یہ مزید اور اسکولوں تک پھیل گیا ہے۔ اس سے پہلے لاس انجلس کے تعلیمی اداروں میں ایسے ہی تجربے کامیابی سے کئے جا چکے ہیں۔ وہاں کے تجربوں کی روشنی میں اب ہم ورجینیا میں کام کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہم سے پورے طور پر تعاون کریں گے کیونکہ ہم سب کی آئندہ نسلوں کو منشیات کی لعنت سے نجات دلانے کی یہ کوشش ہے۔
اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں اگر مزید سوالات ہوں تو آپ ہم سے یا علاقے کے پولیس تھانے کے متعلق افسر سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔“

اس انداز میں یہ پروگرام جس بڑے پیمانے پر امریکہ میں چلا یا جا رہا ہے ظاہر ہے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں ممکن نہیں۔ میں نے مندرجہ بالا تفصیلات اس لئے پیش کی ہیں کہ ہم اس پر غور کر کے کیا کوئی ایسا پروگرام شروع نہیں کر سکتے جو بچوں کو یہ بتا سکے کہ انہیں کس طرح کس انداز میں شاطر انہ طور پر منشیات کے چکر میں پھنسایا جا سکتا ہے اور

وہ کس طرح خود کو بچا سکتے ہیں؟“

یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے یہاں اب لوگوں کو احساس ہو گیا ہے کہ مغرب کی طرح ہماری یہ خطرہ ہم سب پر عموماً اور ہماری نئی نسلوں پر خصوصاً منڈلانے لگا ہے۔ دو سال پہلے یوالیں آئی اے (USIA) نے واشنگٹن ڈی سی کے زیر اہتمام ایک سروے کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ جاننا تھا کہ یہ لعنت کس حد تک پاکستان میں پھیلی ہے اور کیا اس کی روک تھام کے سلسلے میں جو جدوجہد کی جا رہی ہے وہ کامیابی کی طرف جا رہی ہے اور اگر کی جا رہی ہے تو اسے کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ یوں تو اس کے سروے کے نتائج اب دو سال پرانے ہیں پھر بھی ہم اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے بچے اور نوجوان کس حد تک نشیات کے خطرے میں ہیں۔

اس سروے کی رو سے جو چند اہم نتائج حاصل ہوئے وہ یہ ہیں۔

۔۔۔ شہروں میں پاکستانیوں کی خاصی بڑی تعداد کو اس خطرہ کا احساس ہے۔ دس میں سے نو افراد کا خیال ہے کہ ہیر وَن اور افیون کا مسئلہ واقعی خطرناک حد تک اہم ہو گیا ہے۔ ستاؤں فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطرہ کا اثر بڑھ رہا ہے۔

۔۔۔ اس کے باوجود کہ انہیں نشیات کے خطرے کا احساس ہے ان میں سے صرف ۵۵ فیصد لوگوں نے یہ ظاہر کیا انہیوں نے حال میں نہ کہیں سن اور نہ پڑھا کہ افیون اور ہیر وَن کی پیداوار اور اور ان کا استعمال ہمارے یہاں بھی ہو رہا ہے۔

۔۔۔ اسی طرح پچاس فیصد پاکستانیوں کو یہ علم ہے کہ افیون اور ہیر وَن کی پیداوار میں ان کا ملک کتنا بڑا اور اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ چوالیں (۲۳۲) فیصد لوگوں کو تو یہ پتہ نہیں کہ نشیات کی تجارت میں ان کا ملک کس بڑے پیمانے پر ملوث ہے۔

۔۔۔ نشیات کو لعنت سمجھتے ہوئے بھی اس کے خطرے کے احساس کے باوجود پاکستانیوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ یہ مغربی ملکوں کا مسئلہ زیادہ ہے بہ نسبت پاکستانیوں کے۔ اکیاون (۱۵۱) فیصد سے بھی کم پاکستانیوں نے اسے اپنا مسئلہ سمجھ کر پریشانی کا اظہار کیا۔

۔۔۔ ساٹھ (۶۰) فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے ہمارے بچے اور نوجوان فی الحال محفوظ ہیں۔ اس لعنت سے صرف ادھیڑ عمر کے امیر اور غریب ہی متاثر ہوئے ہیں۔

۔۔۔ تہتر (۲۷) فی صد لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ منشیات کا استعمال اور ان کی غیر قانونی تجارت کے مسائل کو ان ملکوں کو نہیں حل کرنا چاہئے جن کے باشندے انہیں استعمال کرتے ہیں یا جو اس کی لیں دین میں ملوث ہیں۔ ان ملکوں کو اس لعنت پر قابو پانے کی جدوجہد کرنیچا ہے جو یہ پیدا کر رہے ہیں جہاں سے یہ خطرناک زیر پھیلتا ہے۔

۔۔۔ چوہتھر سے اٹھتر (۲۷۔۲۸) فی صد پاکستانیوں کو اس بات سے اتفاق تھا کہ منشیات کی پیداوار اور اس کی اسمگلگ کی روک تھام کا مسئلہ حکومت پاکستان کے لئے سب سے اہم ہونا چاہئے کیونکہ ایک عام انسان چاہئے وہ ملک ہو یا غیر ملکی اس کے زیر اثر آ کر جاہ ہو رہا ہے۔

۔۔۔ اس سروے میں جب یہ پوچھا گیا کہ انہیں اس خطرے کی اطلاع کن کن ذرا رکھ سے ملی تو اٹھائیں (۲۸) فی صد لوگوں نے بتایا کہ دوستوں اور عزیزوں سے چوہیں (۲۹) فی صد لوگوں نے اطلاع دی کہ اخباروں کے ذریعے سے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ترقی یافتہ دنیا میں منشیات کی لعنت نے تمہارے مجاہد کا ہے اور وہاں ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے کہ کس طرح بچوں اور نوجوانوں کو اس خطرناک عذاب سے بچایا جائے ہمارے یہاں ساٹھ فیصد پڑھا لکھا طبق خواب خرگوش میں ہے اور اسے یقین ہے کہ فی الحال ہمارے بچے اور نوجوان محفوظ ہیں! یہ صحیح ہے کہ مندرجہ بالا سروے دوسال پہلے ہوا تھا لیکن اپنے گرد و پیش کے ماحول پر نظر ڈال کر غور کیجیے کہ کیا اب بھی ہم ہوش میں آگئے ہیں؟ اگر ہمیں ہوش آگیا ہے تو اس پر قابو پانے کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں؟ حکومت سے ہر مجرمے کی توقع کرنا غلط ہے کیونکہ اس کے اپنے مسائل ہیں۔ ان مسائل کو تو ہمیں ہی حل کرنا ہے۔ اس خطرے کے بارے میں جو پچھلے دس برسوں سے ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے اور جو آہستہ آہستہ ہم پر نازل ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے تمام بنیادی باتیں جانے بغیر اس کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

امریکہ ہی میں مجھے ایک اور دلچسپ پروگرام دیکھنے کا موقع ملا۔ منشیات کی روک تھام کے سلسلے میں یہ پروگرام نوجوانوں کے لئے شروع کیا گیا ہے جس میں سینڈری اسکولوں کے بڑی عمر کے بچے اور بچیاں حصہ لیتی ہیں۔ اسے آرلنگٹن پولیس (Arlington

(Police) اور آرلنگٹن کاؤنٹی پلیس اسکولوں (Arlington County Public Schools) کی انتظامی میں کرچلا رہی ہے۔

اس کا بنیادی مقصد پولیس اور نوجوانوں کے درمیان گھبرا بطة قائم کرنا ہے۔ جب یہ رابطہ قائم ہو جائے اور اس میں مزید ترقی ہو تو دونوں طبقے ایک دوسرے سے قریب آ کرایں دوسرے پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں اس طرح بلاح کے بہت سے ذراع کل آتے ہیں۔

اس پروگرام سے ایک اور فائدہ یہ ہے کہ طلباء اور طالبات کے علاوہ اسکولوں کے اساتذہ بھی پولیس والوں کے وسیع تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو معاشرے کے برے اثرات اور عناصر سے بچنے کے طریقہ ڈھونڈنے کا لئے ہیں اس پروگرام سے متعلق ایک افسر مسٹر رالف ڈیوڈسن (Ralph Davidson) نے اپنے پروگرام کے مقاصد بتاتے ہوئے بعض مفید پہلوؤں کی نشاندہی کی۔ مثلاً۔۔۔ باہمی تعاون کو تقویت پہنچانے کے ارادے سے قانون نافذ کرنے والے ادارے ماهرین تعلیم اور معاشرے کے بااثر افراد کے درمیان رابطہ قائم کرنا۔

۔۔۔ نوجوانوں میں قانون کے احترام اور اچھے شہری بننے کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا۔

۔۔۔ نوجوانوں کو انصاف کے طور طریقوں کے مختلف پہلوؤں کی اہمیت بتانا ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا کہ قوانین کا نفاذ کسی بھی معاشرے کی مناسب نشوونما کے لئے کیوں ضروری ہے۔

۔۔۔ نوجوانوں کو ہر طرح کی برائیوں سے عموماً اور منشیات کی لعنت سے خصوصاً بچا کر انہیں اچھے شہری بننے کی تربیت دینا۔

مسٹر ڈیوڈسن نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جب سے یہ پروگرام شروع ہوا تعلیمی اداروں میں دنگا فساد کم ہو گیا ہے اور اسکولوں کے احاطے میں منشیات کی لین دین بھی کم ہو گئی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کی طرح ان نوجوانوں کو بھی یہ ذہن نشین کرایا جا رہا ہے کہ اپنا فالتو وقت گزارنے کے بہت معقول موقع موقوع ہیں۔۔۔ مثلاً اسکول کے موسیقی اور کھلیکوں کے مرکز جہاں یہ آسانی سے دل بہلا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تخلیقی کام کرنے کے بھی موقع دیئے جاتے ہیں۔ ان کلاسوں میں افسانوں، نظموں

اور مضامین سے لے کر ڈرامے تک لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ طلباء اور طالبات اپنے لکھنے ہوئے ڈرامے خود ہی پیش بھی کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کی ایک ریسرچ اسکالر میری این پنتر (Mary Ann Pantz) نے بہت کام کیا ہے۔ اپنی تحقیقی ریسرچ کے بعد انہوں نے مندرجہ ذیل حقائق کی نشاندہی کی ہے۔

—نشیات کی روک تھام کے سلسلے میں میڈیا یعنی اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اگر نوجوانوں تک اس عذاب کے اثرات کے بارے میں معلومات و فتا فو قائمہ پہنچائیں تو چھیانوے (۹۶) فی صد نوجوان اس بارے میں لاعلم رہتے ہیں۔

—اس کے بر عکس انہیں پڑھنے کے لئے مستقل مواد ملتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھ کر لانے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ چوکے رہتے ہیں۔

—اسی طرح اگر معاشرے کے ادارے نشیات کی روک تھام کے پروگرام چلایں اور نوجوانوں کو ان سے راست وابستہ نہ کریں تو ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں انہیں خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں بھی عملی طور پر روک تھام کے پروگراموں میں شریک کیا جائے۔

—نشیات انسانی جسم اور ذہن کو کس طرح اور کس حد تک نقصان پہنچاتے ہیں صرف اس کے ذکر سے نوجوانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یعنی یہ تفصیلات انہیں راہ راست پر نہیں لاسکتیں۔ انہیں متأثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صرف ڈرانے کی بجائے انہیں سمجھایا جائے کہ جن وجوہات کے لئے لوگ عموماً نشیات کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں ان سے اور بہتر اور معصوم طریقوں سے بھی سکون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اب مختصرًا چند تجاویز پیش کر رہا ہوں بچوں کے والدین کے لئے اور ان کے اساتذہ کے لئے امریکہ میں یہ اقدام مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں بھی یہ کارگرنہ ہوں۔ انسانی فطرت تو ہر جگہ ایک سی ہوتی ہے۔ پہلے والدین سے میں مخاطب ہوں۔

والدین

بچوں اور والدین کے درمیان ہمیشہ آزادی اور آسانی سے رابطہ قائم نہیں ہوتا خصوصاً مشرقی معاشروں میں جہاں اب تک بچوں اور والدین کے درمیان کی خلیج کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اگر بچے بہت زیادہ آزاد نہ طور پر والدین سے گفت و شنید شروع کریں تو اسے بد تیزی سمجھا جاتا ہے۔ اس خلیج کو دور کرنے کے لئے یا کم از کم اسے کم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ۔

-- اپنے بچے کی باتیں غور سے سنئے۔

--جب وہ بول رہا ہوتا سے خوامخواہ ٹو کیتے نہیں۔

--جب تک وہ بول رہا ہوا پ اپنے ذہن میں تیاری شروع نہ کریں کہ آپ کو اس بالتوں کا کپیا جواب دینا ہے۔

--جب تک بچہ اپنی بات ختم نہ کر لے اور آپ کی طرف آپ کے جواب کے لئے نہ دیکھئے اس وقت تک اپنا فیصلہ صادر نہ کریں۔

-- جب بچہ بول رہا ہو تو اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے۔ کیا وہ نہ سہے، گھبرا یا ہوا ماضی میں اور بے چین تو نہیں؟ ایسا ہو تو وہ پیشانی پر شکن لے کر گفتگو کرے گا یا بے چینی سے اپنی انگلیاں جٹھائے گا یا میز بجائے گا۔ بعض بچے پیر مستقل ہلاتے ہیں اور پہلو بدلتے ہیں۔ اگر بچہ ماضی میں غور سے سن رہے ہیں۔ ایسی گھبراہٹ دور کرنے کیلئے یہ ظاہر کیجئے کہ آپ اس کی باتیں غور سے سن رہے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہونی چاہئے اور وقتاً فوقتاً آپ کو اپنا سر بھی ہلانا چاہئے تاکہ اسے یقین ہو کہ آپ دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے ہیں۔ تمام وقت اپنی نگائیں اس پر رکھئے اور اگر دونوں پیدل چلتے ہوئے باتیں کر رہے ہیں تو ایک آدھ بار اس کا بازو تھام لجھئے یا اس کے کانڈے پر ہاتھ رکھ کر یہ ظاہر کیجئے کہ آپ واقعی اس سے ہمدردی اور محبت ہے۔

جب وہ اپنی بات مکمل کر لے تو جواب دیتے ہوئے اپنا لمحہ نرم رکھئے اور کبھی اس کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ نہ کہیں کہ ”جب میں تمہاری عمر کا تھا“، یا یہ کہ ”کیا فضول پاتیں تم نے کیں۔۔۔۔۔ تمہیں یہ کرنا چاہئے کہ ۔۔۔۔۔“

جو اپ دینے سے پہلے اگر اس کی کوئی بات سمجھنہ آئی ہو تو یہ دی نفاست سے

بڑے پیار سے اسے دہرانے کے لئے کہتے۔ ہمیشہ یہ یاد رکھتے کہ جب آپ کے اور آپ کے بچے کے درمیان خلیجِ ختم ہو جائے گی تو وہ بغیر کسی جھک کے اپنے تمام مسائل لے کر ان کے حل کے لئے آپ ہی کا رخ کرے گا۔ اگر آپ کی زندگی میں یہ دور شروع ہو گیا تو سمجھئے کہ آپ کا بچہ کبھی برائی کے راستے پر نہ پڑ سکے گا۔

چونکہ بچوں اور نوجوانوں کا زیادہ وقت گھر سے باہر قلبی درس گا ہوں میں گزرتا ہے اس لئے اساتذہ کے لئے بھی میں چند تجاویز پیش کر رہا ہوں۔

اساتذہ

--سب سے پہلے اساتذہ کو چاہئے کہ منشیات کی روک تھام کے سلسلے میں کام کرنے والے تمام اداروں سے قربی رابطہ رکھیں تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنے شاگردوں کی رہبری کر سکیں۔ انہیں بار بار یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ منشیات کا دیوکتنا ظالم اور خطرناک ہوتا ہے۔ ویسے کوئی بھی شوق دیوالگی کی حد تک پہنچ جائے تو مہلک ہوتا ہے۔ منشیات تو ابتداء ہی سے دیوالگی کی طرف تیزی سے لے جاتے ہیں۔

--اس لعنت کے بارے میں آپ جب بھی اپنے شاگردوں سے بتائیں کریں ہمیشہ غیر مبہم رہیں۔ یعنی ان کی برا یوں اور خطرات کے بارے میں جو بھی حقائق انہیں بتائیں وہ صاف اور واضح ہوں۔

--اس کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ تمام منشیات کے بارے میں خود آپ کی معلومات تازہ ہوں اور مکمل بھی۔ بہت سی منشیات چولہ بدلت کر خطرناک سے خطرناک روپ اختیار کرتی رہی ہیں۔ ان تبدیلوں کے بارے میں اگر آپ کی معلومات تازہ ترین نہ ہوں تو آپ کا شاگرد یہ سمجھے گا کہ جو میں استعمال کر رہا ہوں اس کا شمارنشہ آور دواویں میں نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا تو اس کا استاد اس کے بارے میں ضرور خبردار کرتا۔ اس نے تو اس دوا کا نام تک نہیں سنایا۔

--کسی بھی مرض کی روک تھام اس کے علاج یا اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش سے زیادہ آسان ہے اس سلسلے میں صرف کبھی کبھار "تذکرہ" یا سالانہ تقاریب کے موقع پر اپنے طبلاء اور طالبوں کو منشیات کے خطرے کی یاد دلادینے سے کوئی نتیجہ حاصل

نہیں ہو سکتا ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ یہ تنبیہ بار بار کرتے رہیں بار بار اس منڈلاتے ہوئے خطرے کا ذکر کرتے رہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مشیات کو نصاب میں شامل کریں تاکہ بچوں اور نوجوانوں کو باقاعدہ معلومات فراہم کی جاسکیں۔

— اپنے شاگردوں کے لئے آپ ہوانہ بنے رہیں۔ انہیں یہ لفظ دلائیں کہ آپ ان کے ہمدرد دوست ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ اپنے مسائل اپنے داخلی خوف اور ذہنی پریشانیوں کے بارے میں آپ سے راز درانہ طور پر کھل کر بتیں کر سکیں۔ اگر آپ یہ کر سکیں تو آپ کے شاگردوں کے لئے مشیات کے مسائل کھڑے ہونگے تو وہ آپ ہی سے مدد مانگیں گے۔ کسی غیر متعلق نام نہاد دوست یا جھوٹے ہمدرد سے نہیں۔ یہ انہیں اس لعنت میں مزید الجھا سکتے ہیں۔

— اگر آپ کا ادارہ مشیات کی روک تھام کے سلسلے میں کوئی منصوبہ چلا رہا ہے تو اس میں اپنے شاگردوں کو زیادہ شامل کریں تاکہ وہ عملی طور پر سب کچھ سمجھ کر حصہ لے سکیں۔ اس کی وجہ سے ان نو عمر لوگوں کی خود اعتمادی بڑھے گی اور اس طرح اپنے ایسے دوسرے ساتھیوں کی مدد کر سکیں گے جو اس عذاب سے نکل آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

— اگر آپ کے دوسرے ساتھی، آپ کے رفیق کا رمثیات کے میدان میں سر گرم عمل ہیں تو ان کے ساتھ مکمل تعاون کیجئے کیونکہ اس عذاب کا دیوالا تطاوق تر ہے کہ اسے قابو میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر مجبول کر جائیں۔

— کوشش کیجئے کہ آپ کے عمل کا دائرہ اسکوں یا کالج کے احاطے سے پھیل کر معاشرے کے دوسرے طبقوں تک بھی پہنچ جائے۔

— اب سب سے اہم یہ کہ اپنے آپ کو ہر وقت چوکس رکھیں افواہوں پر کان دھرنے کے بجائے ہر اطلاع کی اچھی طرح تصدیق کر لینے کے بعد جو بھی قدم اٹھانا ہو فوراً اٹھائیں کیونکہ اس جگہ میں وقت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

آخر میں چند فرائض ایسے ہیں جو معاشرے پر لاگو ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

معاشرہ

-- سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ معاشرہ اپنے آپ میں تین حلقے کی موجودگی کو مان لینے کی صلاحیت پیدا کرے۔ گھر میں کچھ ہوتا سے جھاڑ کر باہر پہنچ دینا چاہئے۔ جھاڑ دینے کے بعد اسے قلین کے نیچے چھاپ دینے سے آپ کا گھر صاف نہیں ہو جاتا۔ معاشرے میں نشیات کی لعنت ہے تو اس کا اعتراف کر کے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ جھوٹی شرم کی وجہ سے قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔

-- معاشرے کے بااثر لوگوں کا ایک گروپ بنانا ضروری ہے کیونکہ اس لعنت کا مقابلہ کسی ایک فرد کی کوشش کر ہی نہیں سکتی۔ اس کیلئے متحده مجاز کی ضرورت ہے۔

-- بڑے بڑے منصوبوں پر کام شروع کرنے کے مجائے چھوٹے منصوبوں سے اپنا جہاد شروع کیجئے۔ اگر اس میں آپ کو کامیابی ہو گی تو اس سے تمام کارکنوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔

-- اپنے گروپ میں نئے والینڑوں کو شامل کرتے رہئے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ایک ہی طرح کا کام کرتے کرتے اکتا جاتے ہیں۔ نئے لوگ آئیں گے تو ان کی دلچسپی بھی قائم رہے گی اور آپ جنگ کے نئے طریقے بھی آزمائیں گے۔

-- ان تمام کوششوں کی کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا ایک ہی سربراہ ہو ایک ہی رہبر ہو۔ جب معاشرہ ایسے کسی مناسب شخص کا انتخاب کرے تو تمام باشندوں کو چاہئے کہ اس کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

ان تمام تفصیلات کا لب لباب یہ ہے کہ نشیات کے پھیلاو میں معاشرہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے اثرات اسی معاشرے میں زیادہ پھیلتے ہیں جہاں گھٹن ہوا گر کہیں یہ عذاب نوجوانوں میں زیادہ پھیل رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاشرے میں ان کے لئے اپنا فال تو وقت فرست کے لحاظ گزارنے کے لئے مناسب صحت مند سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ انہیں ایسے موقع فراہم کرنا بہت ضروری ہے۔ گھٹن کے لئے کسی ایک فرد کو الزام دینا صحیح نہیں کیونکہ ایسی صورت حال یہ ظاہر کرتی ہے کہ معاشرہ خود بیمار ہے۔

ہمارا رو نا یہ ہے کہ جب بھی کوئی ایسا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے تو فوراً یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نوجوانوں کو تفریح کے موقع فراہم کر کے اپنی قدیم روایات اور اقدار کو مجرور کر

رہے ہیں انہیں مذہبی فرائض سے دور کر رہے ہیں۔ سماجی امراض پر قابو پانے کے لئے بار بار اس پر زور دیا جاتا ہے کہ نوجوانوں کو پاک مسلمان بنانے یہ اور اپنی روایات کی قدر کرنا سکھائیے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تعلیمی اداروں سے واپس آنے کے بعد اگر کوئی بچہ یا نوجوان کسی لا بھری میں جا کر کوئی اچھی کتاب پڑھ لے یا کسی میدان میں جا کر اپنی پسند کا کھیل، کھیل لے یا اچھے دوستوں کے ساتھ مل کر سیر و تفریق کا پروگرام بنالے تو اس میں قدیم اقدار اور مذہب کو خطرہ کیسے لاحق ہو سکتا ہے؟۔

روک تھام

”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟--- نہیں--- ہرگز نہیں---
 استغفار اللہ--- میراچھے ایسا نہیں ہو سکتا۔“ جب کسی باپ کو یہ اطلاع دی جائے ان کاچھ
 یا نو عمر بینا شہ کرنے لگا ہے تو عموماً کچھ ایسا ہی جواب ملتا ہے والدین کبھی اپنے بچوں کے
 خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوتے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ فرشتے جیسے مخصوص
 ہیں۔ بچوں پر اتنا زیادہ ہمدرد سہ کرنا ان کے مخصوصیت میں اس قدر اعتقاد بعض اوقات
 بچوں کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اگر اطلاع دینے والے کی بات کوردنہ کیا جائے اور
 فوراً ہی اختیاطی تداہ احتیاط کی جائیں تو بہت سے بچوں اور نوجوانوں کی جان بچائی جا
 سکتی ہے۔

اب میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ نتائج آپ اخذ کریں۔

میرے ایک دانشور دوست ہیں۔ ان کی بیوی بھی دانشور تھی جاتی ہیں۔ اعلیٰ
 تعلیم یافتہ ہیں روشن خیال ہیں یورپ میں کئی سال گزار چکے ہیں۔ دونوں کھاتے پیتے
 گھروں کے ہیں اس لئے پاکستان میں شراب پر پابندی کے بعد بھی ان کے بیہاں ہر وقت
 اعلیٰ اور قیمتی شراب پیش کی جاسکتی ہے۔ ایک شام وہ مجھ سے ملنے آئے۔

اپنے ساتھ اپنا چار پانچ سالہ بیٹا بھی لے آئے۔ باتوں باتوں میں والد
 صاحب نے فخریہ بتایا کہ کل رات شراب نوشی کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ذہن بیٹے کو
 شراب کا مزہ چکھایا۔ جس خوشی سے اس نے دو گھونٹ لئے اس سے لگا میاں صاحب کو اس

کا ذائقہ پسند آگیا ہے۔ اس پر بیوی صاحبہ بولیں۔ آج آپ کے یہاں آنے سے پہلے ہم ایک ایک پیک پئے تو یہ بھی ضد کرنے لگا کہ مجھے بھی چکھاؤ! اس واقعہ کو تحقیق کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے کہ والدین نادانستہ کس طرح اپنے بچوں کی زندگیاں تباہ کرتے ہیں۔ اب امریکہ میں تحقیق کے بعد یہ ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی بچہ شراب یا مشیات کی کوئی قسم چکھنا شروع کر دے تو صرف چھ مہینے کے اندر اس کی لٹ اسے پڑ جاتی ہے اور وہ ایک عادی نشہ باز بن جاتا ہے۔ گھروں میں شراب موجود ہوا اور میرے احمد دوست کی طرح آپ بچے کونہ بھی چکھائیں تو بھی بچہ اس کی طرف راغب ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب کی کئی قسمیں ایسی ہوتی ہیں جو عام مشروبات کی سی لگتی ہیں۔ کئی کامزہ بھی تقریباً دیسا ہی ہوتا ہے۔ والدین کی غیر موجودگی میں معصوم بچے اسے مشروب کی کوئی قسم سمجھ کر پینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا جو حشر ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ لگای سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے یہاں حکومت کی طرف سے شراب پر پابندی ہے لیکن اس پابندی پر کہاں تک عمل ہو رہا ہے اور دو تین گھنٹوں میں کتنے لوگ شراب نوشی کا شکار ہیں اس کا بھی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آگے چل کر میں نے چند ایسے لوگوں کا جائزہ لیا ہے جو مشیات کے چنگل میں ہیں ان میں سے دو ایسے تھے جن کے یہاں شراب کی کم نہیں تھی۔ اس کی تفصیلات آپ ایک علیحدہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اب ایک سوال جوڑ ہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ کا بیٹا اس خطرناک لٹ کا شکار ہے تو آپ کا ہلا کدم کیا ہونا چاہئے؟ ایسے نازک معاملوں میں ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر مار پیٹ کی تو اس کی ضد میں مزید اضافہ ہو جائیگا اور وہ اور زیادہ اس دلدل میں پھنس جائیگا۔ اگر آپ نے نرم لبجے میں پیار سے اسے خطرہ کا احساس دلایا اور بتایا کہ مشیات کا استعمال اس کے لئے جان لیوا ثابت ہو گا تو آپ کی یہ کوشش بھی بیکار ہو گی کیونکہ آپ کے مقابلے میں اس کے وہ دوست اور وہ بدمعاش جس نے ان سب کو مشیات کا عادی بنایا وہ سب مل کر ثابت کر دیں گے کہ نہ کرنے والی دواؤں کے استعمال سے انسان کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ثبوت میں وہ ایسے دوسرے نوجوانوں سے آپ کے بچے کو ملوادیں گے جو کئی سال سے نشہ کر رہے ہیں

اور اب بھی ہے کئے ہیں صحت مند ہیں۔ اس طرح آپ کو جھلادیں گے غلط ثابت کروادیں گے۔

انہیں چھوٹی عمر سے خبردار کرنے کے لئے والدین کو موقع کا انتظار کرنا چاہئے۔۔۔ مثلاً اخبار کی کوئی چونکا دینے والی خبر یا میلی ویژن کا کوئی ڈرامہ تاکہ بچے کے ساتھ ان کے موضوعات پر آپ گفتگو کر سکیں۔ اس طرح ان کے ذہن میں منشیات کے خلاف ایک تاثر باقی رہ جائیگا جو وقت پڑنے پر ان کے کام آیا گا۔

بچے پوچھتے تو روک تھام کا ایسا کوئی فارمولہ کہیں بھی موجود نہیں ہے جس کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکے کہ یہ ضرور کامیاب ہو گا۔ والدین بچوں کو ان کی چھوٹی عمر سے خطروں کا احساس دلا سکتے ہیں۔ یہ بتاسکتے ہیں کہ دشمن کس طرف سے کس طرح حملہ کر سکتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے انہیں کیا کرنا ہے۔ باقی باتیں تو بچے یا نوجوان کی استعداد پر ان کی اپنی طبیعت پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں آخر فیصلہ تو خود انہیں کرنا ہے کہ وہ اپنی بقیہ زندگی صحت مندانہ انداز میں گزارنا چاہتے ہیں یا منشیات کا غلام بن کر ترپ پر ترپ کر موت کا دروازہ گھلکھلانا چاہتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ جس طرح جا رہا ہے جس طرح خاندانوں کا شیرازہ بکھر رہا ہے جس طرح راتوں رات لکھ پتی بننے کی حصیں میں والدین بچوں کو ہر طرح کے خطرناک اثرات کا مقابلہ کرنے کیلئے بے یار و مددگار چھوڑ رہے ہیں ان حالات میں ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے بچے جب اسکولوں اور کالجوں میں جائیں گے وہاں منشیات کے زیر اثر آنے کا خطرہ انہیں ہمیشہ لاحق رہے گا۔ اس لئے یورپ اور امریکہ میں کہا جاتا ہے کہ بارہ سال سے اٹھارہ سال تک کے اکثر بچوں کو منشیات کے بارے میں خود ہی فیصلہ کرنا ہو گا۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں حالات اس حد تک خراب نہیں ہیں لیکن جس طرح اس منحوس دیوبکا سایہ معاشرے پر بڑھ رہا ہے اگر کوئی مجرمہ رونما ہوا تو یہاں بھی وہی ہو گا جو مغرب کے اکثر ملکوں میں ہو رہا ہے۔

روک تھام کے سلسلے میں مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انداد کا کام کسی ایک فرد یا کسی ایک ادارے کے بس کا نہیں ہے۔ اس کی ابتدا آپ کے اپنے گھر سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد کا مرحلہ اسکولوں اور کالجوں میں شروع ہوتا ہے۔ جہاں بچے ایک خاص ماحول میں پہنچتے ہیں۔ وہاں تک پہنچنے سے پہلے اگر آپ کے بچے یا بچی کی بنیاد صحیح ہے اور ان کو واضح

طور پر معلوم ہے کہ یہ ورنی دنیا میں انہیں کیسے کیسے خدوں سے پالا پڑے گا تو سمجھئے آپ نے آدھی جگ جیت لی۔

نشہ کا خطرہ نیا نہیں ہے۔ قدیم قلمی نسخوں سے پتہ چلتا ہے کہ پرانے زمانے میں بھی کسی طرح کی نشہ آور دواؤں کا استعمال عام تھا۔ انہیں طبیعت میں ترنس پیدا کرنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا تھا اور تھکن مٹانے کیلئے بھی۔ ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ منشیات کا غلط استعمال بھی ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کے معاشرے پر جو اس کے مضر اثرات ہیں ان سے کیسے نبٹا جائے۔ اس لعنت سے کیسے چھٹکارہ حاصل کیا جائے۔ ان مسائل پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کتنے محدود ذرائع ہیں ہمارے راستے کتنے محدود ہیں۔

پاکستان سمیت دنیا کے بہت سے ملکوں میں ایسے قوانین نافذ ہیں جن کی رو سے منشیات کی دستیابی مشکل ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی ایسے کڑے قوانین بھی لاگو ہیں جن کو استعمال کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو بھی سزا دی جا سکتی ہے جو اس لعنت کا شکار ہیں اور جن کی دوسروں کو اس آگ میں لپیٹنے کی کوششوں کی وجہ سے پورا معاشرہ خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے قوانین کوختی سے استعمال کیا جائے تو منشیات کو پھیلنے سے روکا جا سکتا ہے ان کے استعمال پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی مکمل نہیں صرف کسی حد تک۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے عزیز مبارک کے اچانک موت کے بعد اس کی معصوم بچی کی آنکھوں میں بے بی کی ترپ دیکھ کر اپنے ایک بزرگ سے ایک سوال کیا تھا۔ یہ بزرگ دوست کبھی پاکستان پر یہ کورٹ کے نجتھے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ایران، سعودی عرب اور ملیشیا کی طرح ہمارے یہاں بھی منشیات کی تجارت یا اس کی پیداوار میں ملوث مجرم کو موت کی سزا ایکوں نہیں دی جا سکتی؟

اس کا جواب جوانہوں نے دیا وہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ میں نے بھی اس پر بہت غور کیا ہے آپ بھی غور کریں۔ انہوں نے جواب دیا تھا۔

”آپ کی تجویز اچھی ہے لیکن جواب دینے سے پہلے میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ یہ بتائیے کہ ان ملکوں میں جہاں ایسے خطرناک سماج و شمن عناصر کو موت کی سزا دی جاتی ہے کیا یہ لعنت مکمل طور پر ختم ہو گئی یا اب بھی ایسے کڑے قانون کی موجودگی

میں بھی نشیات کا کاروبار ہو رہا ہے؟“

ظاہر ہے میرا جواب وہی تھا جس کی انہیں توقع تھی۔ نہ نشیات سے ان ملکوں کو چھٹکارہ ملا ہے اور نہ اس کا لین دین ختم ہوا ہے۔ مجھے خاموش دیکھ کر میرے فاضل دوست سابق نجیب ہے۔

”میاں۔۔۔ تو انہیں بنانا آسان ہے ان کا استعمال اتنا آسان نہیں خصوصاً پاکستان یا تیسری دنیا کے کسی بھی ملک کے لئے جہاں عام طور پر رشوت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے، جہاں ہر چیز خرید سکتا ہے، جہاں ایک ایماندار سرکاری افسر کے مقابلے میں کم از کم دس بے ایمان افسروں کا راج ہے۔ فرض کیجئے ہم نے نشیات سے ملوث افراد کے لئے پھانسی کی سزا کا قانون نافذ کر دیا تو جانتے ہو کیا ہو گا؟ جرم زید کرے گا اور ہمیشہ بکر کو پھانسی ہوا کرے گی۔ ساری عدیہ اور انتظامیہ اکثر حالتوں میں زید کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔“

ان سے یہ واضح جواب سن کر میں خاموش ہو گیا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا ہمارے معاشرے میں رشوت کا کتنا زور ہے اور ہمارے یہاں کتنے زید آزادی سے لوٹ کھسوٹ کے بازار میں چیلن کی بانسری ہجارتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس لعنت پر قابو پانے کے اور کیا طریقہ ہو سکتے ہیں؟ پہلا تو یہ کہ ہم بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے اس کے خطرناک پہلو بتائیں۔ بزرگ انہیں سمجھائیں کہ اگر کوئی انجانائی شخص انہیں کھانے پینے کو دے تو وہ تمیز اور خوش اخلاقی سے انکار کر دیں۔ یہ طریقہ امریکہ میں بہت استعمال کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے بڑے محدود دائرے میں کامیابی ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں کبھی مناسب طریقے سے اس کی ابتدائیں ہوئی ہے۔ اس لئے فی الحال ہمیں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ شاید ہم اب تک صحیح راستہ پانیں سکے ہیں یا بہت ممکن ہے ہماری کوششیں غیر مربوط رہی ہوں۔

اس خطرناک مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمارے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر ہم سب مل کر اس کے خلاف جدوجہد کیوں کریں جب ہمارا گھر محفوظ ہے؟ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ خطرے میں پڑا

جائے تو ہمارا گھر اور اس میں رہنے والے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ جب اس لعنت کی وجہ سے پورا معاشرہ بدنام ہو جائے تو ہم اور ہمارے بچے کیسے بدنامی سے بچ سکتے ہیں؟ یہ بات اچھی ہے کہ اس کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جا رہا ہے اور اس کی اتنی تشییر ہو رہی ہے کہ اس کی گونج ہماری درسگاہوں تک پہنچ گئی ہے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ گھر کے بچے کو اس خطرہ کا احساس دلا کر اسے اس کے اساتذہ سے بھی کھلوائیں کہ ان کی ایک لغزش انہیں کہاں تک پہنچا سکتی ہے۔

اب گھریلوں ماحول ہی کو بیجھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان کے افراد اس کے استعمال کو روکنے میں بڑا ہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے بچوں کے لئے عمدہ مثال قائم کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے ان سے دور نہ بھاگیں۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہے کہ گھر کا کوئی بزرگ سگریٹ پیتا ہو یا کسی اور طریقے سے تمباکو نوشی کرتا ہو تو وہ فوراً اسے چھوڑ دے۔ خدا کا شکر ہے کہ بڑی حد تک پاکستانی معاشرہ شراب نوشی کی لعنت سے پاک ہے۔ شراب کی وجہ سے مغربی ملکوں میں نشیات کے مسائل مزید الچھر ہے ہیں۔ گھر سے باہر اس کی بیلغاڑ کو روکنے کیلئے ضروری ہے کہ عوام کو یہ بتایا جائے کہ نشیات کا اثر ان کے جسم کے مختلف اعضاء پر ان کے ذہن پر کیسے اور کن کن مرحلوں میں ہوتا ہے کس طرح ان کا زہر خون میں جذب ہو کر وہاں کیسی کیسی خوفناک تبدیلیاں پیدا کرتا ہے کس طرح یہ دماغ تک جا پہنچتا ہے اور اس کے ذہن پر قابض ہو کر اپنے شکار سے کیسی کیسی حرکتیں کرواتا ہے اور ساتھ ہی اسے کیسی اذیتیں دیتا ہے۔

اگر عوام کی معلومات میں اضافے کا یہ پروگرام چلا جائے تو اس کی کو پورا کیا جا سکتا ہے جو ان کی ابتدائی تعلیم میں شامل نہیں تھی۔ جب لاعلم عوام تک ماہرین سے طبی حقائق پہنچیں گے تو ان کے لئے شک کی کسی قسم کی گنجائش نہیں رہے گی۔ وہ خود ہی غور کر کے اپنے بھلے اور برے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں گے۔ ظاہر ہے معاشرے کے کسی فرد کو بھی آپ کسی بات کے لئے بھی مجبور نہیں کر سکتے۔ صرف صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں بھلے اور برے کا فرق بتاسکتے ہیں۔ آخری فیصلہ تو بہر حال ایک عام انسان کو خود ہی کرنا ہے۔

نشیات کی روک تھام کے لئے آپ جو بھی قدم اٹھائیں گے اس کے نتائج ظاہر ہے فوری نہیں ہو سکتے کیونکہ اس زہر کی جڑیں معاشرے میں اب اتنی گھری ہو گئی ہیں کہ

اسے اکھیڑ پھینٹنے کے لئے وقت لگے گا۔ اس لعنت کے بارے میں تعلیمی اداروں تک معلومات پہنچا کر یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ عوام کو عوماً اور نو عمر نوجوانوں اور بچوں کو خصوصاً خبردار کر سکتے ہیں۔ اس طرح معاشرہ، منشیات کو، ان کے زہر پلے اثرات کو صحیح روشنی میں دیکھ سکے گا۔ یہ ایک دیر پا عمل ہے جس کی وجہ سے منشیات کا طلبہ کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹے گا اور معاشرے کے افراد اس عذاب کو اس کے صحیح اور بھیانک روپ میں ضرور دیکھ سکیں گے۔

ہمیں معاشرے میں ایسے افراد بھی ملیں گے جو اس حقیقت سے واقف نہیں کہ شراب کی طرح کیفین (Caffeine) اور سگریٹ کا زہر گلوٹین (Nicotine) کو بھی منشیات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان کو کثرت سے استعمال کیا جائے تو یہ بھی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا کر سکتی ہیں۔ دنیا میں ایسے لاکھوں لوگ ہو گئے جو انہیں منشیات کی فہرست میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہو گئے۔

ایک خرابی دوسری خرابی کو جنم دیتی ہے۔ منشیات کی روک تھام کے سلسلے میں پہلا قدم یہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء سے کی جائے کہ تمبا کونو شی پر پابندی عائد کی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سے ملتی جلتی دوسری لعنت شراب ہمارے یہاں سرکاری طور پر پابندی ہے لیکن اب بھی یہ کس حد تک پی جا رہی ہے اس کا ذکر میری کتاب کے دائرے سے باہر ہے۔

روک تھام کی ایک اور صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم قوانین کو مزید سخت کر دیں۔ ایسے قوانین نافذ کریں جن کی رو سے پکڑے جانے والے مجرم کے تمام اٹائے حکومت ضبط کر لے۔ یہاں ایک سوال قابل غور ہے۔ جو شخص منشیات اسمگل کرتے ہوئے پکڑا جائے تو کیا وہی اصل مجرم ہے یا اس کے پیچھے کسی اور طاقتو ر اور با ارش شخص کا ہاتھ ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ عوماً چھوٹی مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ اس ذلیل کاروبار کے سراغنے محفوظ رہتے ہیں۔ اصل مجرم پر حکومت نہ ہاتھ ڈال سکتی ہے اور نہ ڈالنا چاہتی ہے اس کی وجوہات آپ خوب جانتے ہیں۔ بعض حلقوں سے خصوصاً دانشور حلقوں سے یہ تجویز بھی پیش کی جا چکی ہے کہ جب روک تھام اتنی آسان نہیں ہے تو کیوں نہ ہم منشیات کی پیداوار اور اس کی تجارت کو قانونی تحفظ دے دیں۔ آخر اپنے یہاں اپنے اقدار اور اخلاق کی زبوں حالی تو شروع ہوئی گئی ہے۔ چونکہ ان پر پابندی ہے اس لئے رشتہ کا بازار بھی گرم

ہے اور اس کی مانگ اور قیمتیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ اگر ان کو قانونی تحفظ مل گیا تو آپ اپنے پسند کی نشہ آور دوا جہاں سے چاہیں یا کسی مخصوص دوکان سے سستے داموں خرید سکتے ہیں اس طرح اس کی قیمت ضرور گرے گی۔

آپ نے دیکھا ہو گا اب تو صورت حال یہ ہے کہ تمام پابندیوں کے باوجود ہم کھل کر بدمعاشوں سے کہہ رہے ہیں کہ ہاں! تم دل کھول کر منشیات کا زہر پھیلاو اور اس کی تجارت کرو اور ہم دل کھول کر مستعدی سے تمہارا تعاقب کریں گے۔ نہ تم تجارت روکو اور نہ ہم تعاقب کرنا کیونکہ ہمیں معلوم ہے تم ہمارے ہاتھ کبھی آؤ گے ہی نہیں!

جو حضراتِ مشیات کی تجارت کو قانونی تحفظ دینے کے حق میں ہیں وہ ہالینڈ کی مثال دیتے ہیں جہاں مکمل طور پر تمام مشیات کو تو نہیں لیکن چرس کو تحفظ حاصل ہے۔ اگر آپ کی عمر سولہ سال سے زیادہ ہو تو آپ چرس آسانی سے خرید سکتے ہیں۔ وہاں کے سرکاری ذرائع کی رو سے اس کے استعمال میں اس کے تحفظ کی وجہ سے کمی آگئی ہے۔ خدا جانے ان کے اعداد و شمار کس حد تک صحیح ہیں۔

پاکستان میں ایسا کرنا یقیناً صحیح نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس یہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ دفتر کے ہر ملازم کو بتایا جائے اگر اس کے بڑے افسر کو یا اس کے آجر کو یہ پتہ چلے کہ ان میں سے کوئی مشیات استعمال کرتا ہے تو اسے فوری طور پر ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا۔ ایسی ہی صورت حال اسکلوں اور دیگر درسگاہوں میں بھی پیدا کی جانی چاہئے۔ میں نے ٹکا گو کے ایک محلے میں جہاں زیادہ تر سیاہ فام امریکی رہتے ہیں دیوار پر لکھا ایک نعرہ پڑھا جو ایک بڑی خطرناک سوچ کی غمازی کرتا ہے۔ ”آپ کا جسم اپنا ہے اس لئے آپ کو اجازت ہونی چاہئے کہ آپ اس کے ساتھ جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں“

دوسرے لفظوں میں آپ یہ جانتے بوجھتے کہ مشیات آپ کے جسم کو ذہن کے ساتھ ساتھ کس حد تک نقصان پہنچا سکتے ہیں آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ آزادی اظہار کا کس قدر غلط استعمال ہے اس کا اندازہ آپ خود لگائیے کیونکہ آپ فرد ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کا ایک ہزو بھی ہیں۔ آپ کی کوئی بھی غلط حرکت معاشرے پر ضرور اثر انداز ہو گی۔

پاکستان میں نشیات کی روک تھام کے سلسلے میں حکومت کے علاوہ بہت سے سماجی ادارے بھی خاصا کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایصار حسین رضوی صاحب نے بعض اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کی رو سے ”ہیر و ن کی ماگن کم کرنے اور اس کے محتاج افراد کے علاج اور بحالی کے لئے حکومت نے تین سال کے اندر ملک بھر میں علاج اور بحالی کے لئے چھیس (۲۶) مرکز قائم کئے ہیں۔۔۔۔۔ یہاں پچھتر ہزار نشہ کرنے والوں کا علاج کیا گیا ہے۔ ملک کے ایک ہزار دوسو سے زیادہ ڈاکٹروں کو اپنے نجی ہسپتاں میں نشہ کرنے والوں کا علاج کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ اسی طرح غیر سرکاری تنظیموں کے تقریباً ساڑھے چار ہزار سماجی کارکنوں کو بھی اجتماعی کارروائی کے لئے تربیت دی گئی ہے۔“

رضوی صاحب نے کام کے لئے حکومت سے اعداد و شمار بھی دیئے ہیں۔ میں اس کی تفصیلات میں جانانیں چاہتا۔ صرف ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو میں نے پاکستان کے ایک مشہور اور بڑے ڈاکٹر سے سن چکھوں نے ایک مرحلے پر اس جنگ میں شرکت کی تھی۔ وہ ایک بڑے سرکاری ہسپتال کے نفیسیاتی مریضوں کے وارڈ کے انچارج بھی ہیں۔ کئی سال ہوئے غیر ملکی امداد کا سہارا لے کر انہوں نے اپنے وارڈ سے ملحقہ ایک بڑے کمرے میں نشہ کرنے والے چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کو رکھا اور بڑی مستعدی سے علاج شروع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تقریباً تین ہفتوں کے بعد ایک دن انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے وارڈ کے دو ڈاکٹر اور ایک نو عمر نرسر کے رویے میں کچھ عجیب تبدیلی آگئی ہے۔ جب گھبرا کر اس کی وجہات اپنے طور پر جانے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ نشہ کرنے والے مریضوں میں سے چند ڈاکٹر ہیں نوجوانوں نے خود صحیتیاب ہونے کے بجائے ان مخصوص ناتجیبہ کار جوان ڈاکٹروں اور ایک نرس کو بھی فرار کارستہ دکھا دیا!

اس اکشاف اور ڈرانے والی حقیقت کے بعد ظاہر ہے نشہ کرنے والے ان مریضوں کو وہاں سے دور بھیج دیا گیا اور نہ ان کے چکر میں آنے کے لئے بھی وارڈ کے کئی اور ڈاکٹر، نرسر اور بہت سے نفیسیاتی مریض وہیں موجود تھے۔

اس قصہ کو بیان کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ روک تھام کے لئے جو کوئی اقدام اٹھائے جائیں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دوسرے معصوم لاعلم لوگوں کو ان سے دور

رکھا جائے۔

اس مرحلے پر اس خطرناک مسئلے کا ایک پہلو اور ہے جس پر ہمارے یہاں بہت کم لکھا گیا اور خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ میرا اشارہ نشے کے بارے میں دینی احکامات کی طرف ہے پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جہاں کی آبادی کی زبردست اکثریت مسلمانوں کی ہے اور غیر ملکی لادینی عقائد کے وجود کے باوجود ہمارا ایک عام شہری پاک مسلمان ہے۔ اگر ہم عوام کو یہ واضح طور پر بار بار بتائیں کہ اسلام میں نشہ پر پابندی کیوں ہے اور اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے احکامات کیا ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سے متاثر ہو کر لوگ راہ راست پر نہ آ جائیں۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ میں ان مسائل پر اگلے باب میں بحث کروں گا۔ فی الحال چند تجاویز مختصر اپیش کرنا چاہتا ہوں جن عمل کر کے ہم منشیات کے استعمال میں بڑی حد تک کمی کر سکتے ہیں۔

-- سب سے پہلا قدم ہمیں یہ اٹھانا ہو گا کہ ہر حالت میں افیون اور حشیش کے پودوں کی پیداوار میں مزید کمی کروانے کیونکہ یہ ساری تباہی کی جڑ ہیں۔

-- منشیات کے بارے میں تفصیلی معلومات کو اسکولوں کے نصاب میں شامل کرنا چاہئے۔

-- یہ ضروری ہے کہ اس امنڈہ اور انتظامیہ بچوں کی کڑی نگرانی کرے۔ گھروں میں والدین بچوں اور نوجوانوں دونوں پر نظر رکھیں تاکہ اگر انہیں ذرا بھی شک ہو کہ ان میں سے کوئی راستے سے بھٹک رہا ہے تو فوراً اس کا علانج ہو سکے۔

-- انتظامیہ کو چاہئے کہ اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اس امنڈہ کے علاوہ بچوں کے والدین تک تمام ضروری معلومات بھم پہنچائیں خصوصاً نشہ استعمال کرنے والے کی علامتیں۔

-- اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے ہر شہری کو منشیات کے بارے میں معلومات فراہم کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں مذہبی رہنماء عموماً اور مساجد کے پیش امام کی خدمات بڑی مفید ہوں گی۔

-- قوانین نافذ کرنے کے لئے بہتر انتظامات بھی ضروری ہیں۔ آج کل تدواد سال کی سزا اور بعض حالتوں میں مجرم کو عمر قید کی سزا کی گنجائش بھی ہمارے یہاں موجود

ہے۔ لیکن دیکھایا گیا ہے کہ اس پر عمل بہت کم ہوا ہے جس کی وجہ سے بدمعاشوں کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ میں نے انگلستان اور امریکہ میں دیکھا ہے کہ وہاں سزا میں کتنی سخت ہیں۔ ہمارے یہاں بھی سزاوں کو مزید سخت کرنا ہو گا۔

-- جو بد قسمت نشیات کے چکر میں آچکے ہیں ان کی بحالی کے سلسلے میں ماہرین کی خدمات حاصل کرنی ہو گئی جو جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ مناسب مشوروں سے ان کی ذہنی حالت اور سوچ کو بھی بہتر کر سکیں۔

-- نوجوانوں کے لئے (اسپورٹس) کھیل کوڈ کے لئے سہوتیں بڑھانی ہو گئی ساتھ ہی یہ بھی کرنا ہو گا کہ اگر کسی نوجوان کو موسیقی سے دلچسپی ہے تو اسے سکھنے کے موقع بھی فراہم کرنے ہوں گے۔ دوسرے مغربی ملکوں کی طرح ہمارے یہاں بھی کوئی ایسی جگہ انہیں مفت دینی ہو گئی جہاں وہ اپنے دوسرے نو عمر موسیقاروں کے ساتھ مل کر موسیقی سے خود بھی لطف اندوز ہو سکیں اور عوام کو بھی لطف اٹھانے کا موقع دے سکیں۔

مندرجہ بالا تجویزیں ان کے لئے تھیں جواب تک محفوظ ہیں اور ہم نشیات سے انہیں بچانا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان کے بارے میں بھی تو سوچنا ہو گا جو ان کے چنگل میں ہیں۔ اگر ہم انہیں بچا سکتے تو ممکن ہے روک تھام کے کئی کار آمد نئے ہمارے ہاتھ لگیں۔

اب ذرا ان دو حضرات کی گفتگو ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں سے ایک نشیات کا مریض ہے اور دوسرا اسے راہ راست پر لا کر اس جنجال سے چھکا رہ دلانا چاہتا ہے۔

دوسرਾ شخص = تم نشیات کیوں استعمال کرتے ہو؟

پہلا شخص = کیوں نہ کروں؟

دوسرा = اس لئے کہ ان کی وجہ سے تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ اب یہ بتاؤ تمہیں کس طرح قائل کیا جائے کہ نشیات بہت بڑی لعنت ہے اور یہ تمہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔

پہلا = اچھا؟ --- میں تو نہ اور دوائیں ذہنی سکون کے لئے استعمال کرتا ہوں۔ تم کوئی ایسا معقول طریقہ بتاؤ جس سے میں ذہنی طور پر بہتر محسوس کر سکوں اپنے مسائل بھول سکوں۔

آپ نے غور کیا اس مریض کی باتیں احتمانہ نہیں ہیں بلکہ کسی حد تک معقول بھی

ہیں؟ اگر روک تھام کے غم میں بنتا ہم لوگ اسے سکون حاصل کرنے کے تبادل طریقے نہیں بتاسکتے تو ہمیں اسے نشہ بازی سے روکنے کا کیا حق ہے؟ اس سے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہاں ایسا معاشرہ پیدا کرو کہ اس کا ہر فرد خوش رہے ذہنی طور پر آسودہ ہو۔ اگر یہ ہو سکا تو اس کے بعد اسے سکون کے لئے اپنے مسائل سے فرار کے لئے منشیات کا سہارا لینا نہیں پڑے گا۔ یہ مسئلہ تو صرف اسی کا نہیں ہم سب کا ہے۔

ہر طرح کے مسائل میں جذبے ہوئے معاشرے کو اتوں رات درست نہیں کیا جاسکتا۔ کہیں بھی انقلاب لانے کے لئے وقت بھی لگتا ہے اور پوری قوم کی کاوش بھی۔ فی الحال تو ہمارے پاس وقت کم ہے وسائل بھی کم ہیں ہمیں تو وقت ضائع کے بغیر صرف ایک اور ایسے ہی کسی دوسرے فرد کو منشیات کی لعنت سے بچانا ہے اسے اس لٹ سے چھکارہ دلوانا ہے۔ اسے اس منزل تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے سکون حاصل کرنے کیلئے تبادل ذرائع بتائیں۔ وہ کیا ہو سکتے ہیں؟ الجھنیں بھی تو طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ ان کی روشنی میں کچھ تجویز میں سامنے آتی ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے اور انہیں لائزپر خود بھی غور کیجئے۔ سیاسی اجھنوں سے نجات کیسے ہو؟

اس کے لئے مریض کو مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ تم پہلے سیاست کے علم کا اچھی طرح مطالعہ کرو پھر اپنی پسند کی کسی سیاسی پارٹی کے رکن بن جاؤ اور اس کے لئے کام کرتے ہوئے قوم کی خدمت کرو۔ اس سے تمہارا فال تو وقت بھی اچھی طرح گزر جائے گا اور تمہاری قوم کا بھی بھلا ہو گا۔

— ایک دانشور کی حیثیت سے گرد و پیش کے حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔

ان فکردوں سے کیسے نجات ملے؟ مریض کو مشورہ دیجئے کہ اپنے مطالعے میں اضافہ کریں۔ تاریخ گواہ ہے ہر دور میں اکثر بڑے دانشور گرد و پیش کے ماحول سے حالات سے بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ لیکن ان میں سے کسی نے اپنی نجات کے لئے نشہ آور دواؤں کا سہارا نہیں لیا اپنے مطالعے میں اضافہ کیا ماحول کو بہتر بنانے کیلئے قلم اس کا سہارا لے کر خود لکھنا شروع کیا۔ ادبی ملسوں میں شرکت کی۔ انہوں نے ہمیشہ یہ یاد رکھا کہ ان سے پہلے بھی بہت سے دانشور گزرے میں جنہوں نے منشیات سے پاک زندگی گزادی۔ ہمارے دانشور بھی یہی کر سکتے ہیں۔

--روحانی بے چینی کا شکار ہو تو اس بے چینی سے کیسے نجات ملے؟
اس کے لئے نماز اور خدا کی عبادت، قرآن اور حدیث کی تلاوت وغیرہ
بہترین علاج ہیں۔ کسی نہ کسی نیک بندے کسی صوفی بزرگ کی محفلوں میں شرکت کی جائے
اور خدا سے لوگانی جائے تو اس سے بھی ذہنی سکون ملتا ہے۔ اس سلسلے میں اچھی موسیقی،
خصوصاً قوالی بھی بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔

یوں تو ہمارے یہاں نشیات کے مریضوں میں جاہل مرد اور عورتیں بھی نظر آتی ہیں لیکن چونکہ یہ بڑی حد تک شہری علاقوں کی دبایہ ہے اس لئے غور کریں تو پڑھ لکھے لوگ ان کے چکر میں زیادہ ملیں گے۔ انہیں مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنا فالتو وقت معاشرتی کاموں میں حصہ لے کر اچھی طرح گزار سکتے ہیں۔ تنہا کچھ نہ کر سکتے ہوں تو وہ کسی ایسے معروف ادارے میں شریک ہو کر سکون حاصل کر سکتے ہیں جو سماجی اور فلاحی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔ مثلاً مردوں کے لئے ہمارے یہاں ایڈھی ٹرست ہے، ہلال احمد۔۔۔ خواتین کے لئے اپوا ہے۔ اب تو نشیات کی روک تھام کے لئے مجلس سماجی کارکنان پاکستان بھی بڑا قابل قدر کام کر رہی ہے۔

نشیات اور اسلام

اسلام میں نشے کے بارے میں دینی احکامات بہت واضح ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نشہ پیدا کرنے والی صرف ایک ہی خطرناک چیز رائج تھی اور وہ تھی شراب۔ اس لئے احکام خداوندی اور سنت نبوی کی رو سے نشہ کرنے پر جو پابندی آئی وہ شراب کے لئے تھی۔ لیکن جن نشیات سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے وہ شراب سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ جب شراب کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے تو نشیات کا اگر اس وقت وجود ہوتا تو اس کے بارے میں تو اس سے بھی سخت احکامات نازل ہوتے۔

قرآن پاک میں ایسی آیتیں ہیں جن کی رو سے نشہ کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔
مثلاً سورۃ مائدہ میں ایک آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانے ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں۔ پس تم ان سے بچو گتا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی بغض اور جھگڑے پیدا کرے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے تو کیا تم اس کے ارادے تک پہنچو گے اور ان سے بازنہ رہو گے؟“
(پ۷۔ سورۃ مائدہ)

مخدومی حکیم محمد سعید صاحب نے اپنی ایک جامع تحریر میں سنت نبوی ﷺ کی

روشنی میں مشیات کے لئے کیا احکامات ہیں اس کی واضح طور پر روشنی ڈالی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

--حضرت عبد اللہ بن عمر فرمانتے ہیں: ہرنشہ آور چیز خمیر ہے اور ہرنشہ لانے والی چیز حرام ہے۔

--حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا شہد سے بنائی ہوئی شراب حرام ہے؟ آپ نے فرمایا جو شے انسان کو مخمور کر دے وہ حرام ہے۔

--سیدنا حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ: ”جو شے مسکر ہے کثیر ہو یا قلیل وہ حرام ہے۔“

--اب یہ خواہ بھنگ ہو یا چرس، افیون ہو یا ہیر و بن، کوکین ہو یا کوئی نشہ آور دوا۔ چونکہ وہ نشہ پیدا کرتی ہیں اور ان کے استعمال سے انسان اپنی سوچ کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے اور ان کا استعمال کرنے والا احکامات الہی بجالانے کے قابل نہیں رہتا اس لئے وہ شرع محمدی کی رو سے حرام ہیں۔

--در المختار۔۔۔ جلد نمبر ۲۔۔۔ کتاب الاشریب، صفحہ نمبر ۲۳۸۔۔۔ ۳۳۸ پر امام داؤد کی روایت کی رو سے رسول اللہ نے ہر سکر یعنی نشہ لانے والی اور ذہن میں فتور پیدا کرنے والی شے سے منع فرمایا ہے۔

--روح المعافی۔۔۔ جلد نمبر ۲۔۔۔ صفحہ نمبر ۱۱۳۔۔۔ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے کہ شراب سارے ہی گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عربی لغات اور قواعد میں ”خمر“ کے معنی انگوری شراب کے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ہرنشہ آور شے جو فہم و دانش کوڑھا نک دے وہ خمر ہے۔ اس لئے ”خمر“ کا اطلاق ہر نشہ آور دوا اور اس کے ہر جزو پر ہو گا۔ پس ہر قسم کی شراب کاری، افیون، ہیر و بن، چرس، بھنگ، کوکین، گانجا اور دیگر کیمیائی دوائیں وغیرہ سب خناس خمر کے مصدقہ ہیں۔

--مسلم شریف اور مشکوہ شریف میں حدیث ہے۔ حضرت واکل بن حضری بیان کرتے ہیں۔ صحابی رسول حضرت طارق نے آنحضرت ﷺ سے شراب کے استعمال کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ پر نور نے منع فرمایا۔ اس پر صحابی نے عرض کیا۔۔۔ ”حضور

علیہ السلام میں تو اسے دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں یعنی بنا تا ہوں۔“ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”شراب دوانہیں بلکہ وہ خود ایک روگ ہے۔“

۔۔۔ ابن ماجہ اور زاد العمامہ میں مذکور ہے۔ سرکار احمد مختار نے فرمایا: ”جو شخص شراب سے علاج کرے اللہ اسے شفاسے بہر ورنہ فرمائیے۔“

۔۔۔ ابن جریر نے انus ابن مالک کی ایک روایت کا تفسیر القرآن کی دوسری جلد میں ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

”ابن مالک نے کھجور کا ایک گاڑھا شربت تیار کیا۔ جب اس کا خمیر بن گیا تو انہوں نے اسے اپنے چند دوستوں کو پیش کیا۔ ان میں ابو دھانا، ابو عبیدہ ابن الجراح اور ابو طلحہ جیسے مقتدر لوگ موجود تھے۔ جیسے جیسے اس مشروب کا اثر پینے والوں پر ہونے لگا انہیں گرد و پیش کا ہوش نہیں رہا۔ لیکا یک انus نے ایک آواز سنی۔ جیسے کوئی کہر رہا ہو۔۔۔ انھر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ یہ سنتے ہی یہ جانے بغیر کہ یہ آواز کس کی تھی بلکہ باہر جا کر کوئی دیکھتا کہ جو کچھ ان لوگوں نے ساتھا کیا وہ صحیح تھا۔ سب نے اپنا بچا ہوا مشروب فوراً پھینک دیا۔ انus فرماتے ہیں۔۔۔ اس کے بعد ہم نے مٹی کے وہ بڑے بڑے مرتبان توڑ دیئے جن میں مشروب کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔ سب نے مل کر وضو کیا۔ خوبصورات کی اور پیدل مسجد نبوی گئے جہاں آنحضرت ﷺ موجود تھے۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ سائے میں چار عرب بیٹھے ہوئے اسی طرح کی شراب پی رہے تھے۔ لیکن ان میں سے چند ایک نے بھی آنحضرت ﷺ کا حکم ساتھا اور وہ کلیاں کر رہے تھے۔

اس کے بعد یہ خبر آگ کی طرح سارے مدینے میں پھیل گئی کہ انحراف ہو گئی ہے۔ پھر تو یہ ہوا کہ ان گنت ایسے برتن ٹوٹے جن میں کھجور، شہد اور انگور کے مشروبات کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ اس کے بعد مدینے کی گلیوں میں انحراف کی ندیاں بہ گئیں۔

ادھر مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف فرماتھے اور قرآن پاک کی ان آیات کا اور دکر ہے تھے جن کی رو سے ہر طرح کی شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول پاک اپنے رفقاء حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھ شہر کے ایک مخصوص مقام پر پہنچ چہاں پہلے سے بے شمار لوگوں نے نشہ اور شراب کے پیپ اٹھا کر رکھے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچ کے بعد ان لوگوں سے پوچھا: ”آپ کو معلوم ہے یہ کیا

ہے؟---”جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ ---خوب ہے۔“ سب نے کورس کے انداز میں فوراً جواب دیا۔

”بالکل صحیح جواب دیا آپ نے--- رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے وہ فرمایا جسے حدیث بنوی میں بڑی شہرت ملی۔--- یقین کرو اللہ نے ہر طرح کے لئے انہر کو ملعون قرار دیا ہے اور اسے بھی ملعون قرار دیا ہے جو اس کے لئے خمیر تیار کرتا ہے وہ بھی ملعون جس کے لئے انہر تیار کیا جاتا ہے وہ بھی ملعون جو اسے پیتا ہے اور وہ بھی جو پیش کرتا ہے اور وہ بھی جو اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور وہ بھی جس کے لئے اسے لے جایا جاتا ہے اور وہ بھی جو یہ خریدتا ہے اور جو اس کی قیمت وصول کر کے اس سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔“

نشے کے بارے میں اس سے زیادہ واضح دینی احکامات اور کیا ہو سکتے ہیں؟

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مندرجہ بالا حوالے یہ واضح کر دیتے ہیں کہ اسلام میں ہر طرح کے نشر پر کس حد تک پابندی ہے۔ سیدھے سادے عوام تک ان دینی احکامات کو پہنچانا اب ہمارے مذہبی رہنماؤں اور مسجدوں کے پیش اماموں کا کام ہے۔ مذہب کو منیاثت کے خلاف جنگ میں کتنی کامیابی سے استعمال کیا جاسکتا ہے اس کی مثال میں نے امریکہ میں دیکھی۔ وہاں یہ خطرناک لٹ سیاہ فام امریکیوں میں نسبتاً زیادہ ہے۔ جب ان لوگوں میں اسلام پھیلا تو تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ سو فصد سیاہ فام مسلمان امریکیوں نے اس سے توبہ کر لی ہے۔ جب ہمارا دین انہیں راست پر لاسکتا ہے تو ایسی کوئی وجہ نہیں کہ یہ ہمیں بھی دوزخ کی آگ کا ڈر دکھا کر اس لعنت سے دور نہیں رکھ سکے گا۔ صرف اس طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

کیا سچ ہے، کیا جھوٹ

نشیات کے بارے میں بہت سے مفروضے نشہ کرنے والوں میں عام ہیں۔ لوگوں نے اپنی غلط عادت کو جائز ثابت کرنے کے لئے کئی باقی فرض کر لی ہیں اور ان کی وہ اور اس ذلیل کاروبار میں ملوث سماج دشمن عناصر تشویر بھی اکثر کرتے رہتے ہیں۔ آئیے۔ چلتے چلتے ہم ان مفروضوں کا تجزیہ کرتے چلیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔

— — — عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک بار کوئی بھی نشہ کرنے والی دونقصان نہیں پہنچاتی۔ دوسرے لفظوں میں اسے ایک بار پچھہ لینے سے اس کی لٹ نہیں پڑ جاتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفروضہ غلط ہے۔ ایسی بہت سی نشیات ہیں جو اس مفروضے کو غلط ثابت کرتی ہیں جو بے حد طاقتور ہوتی ہیں۔ مثلاً ہیر و نن کی بعض مستمیں اور کوکین۔ ان کے علاوہ اب بازار میں ایسی کئی دوائیں ہیں جو کیمیاوی طریقوں سے تیار ہوتی ہیں جنہیں کوئی شخص ایک بار استعمال کر لے تو اس کا غلام بن جاتا ہے۔ اس کا ثبوت امریکہ اور یورپ کے کئی ہسپتا لوں کے مردہ خانوں سے ملا ہے۔ ایک سرکاری ذریعہ کی رو سے ۱۹۸۹ء میں یعنی صرف ایک سال میں امریکہ میں کم از کم ایک ہزار آٹھ سو افراد ہیر و نن کے استعمال کی وجہ سے جان بحق ہوئے۔ ان خطرناک نشیات میں کوکین نے تو سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اس کا توڑ اب تک پیدا نہیں ہوسکا۔ خدا شکر ہے کہ اس کا

استعمال اب تک صرف امریکہ ہی تک محدود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بدرے میں ماں کب تک خیرمنائے گی؟

صرف دس سال پہلے کی بات ہے۔ کوکین کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ یہ بے ضرر ہے۔ اس کا استعمال انسان کو اس کا عادی نہیں کر دیتا۔ یعنی اس کی لدت نہیں پڑتی۔ اب امریکہ کے چند سرکاری اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان اس میں ملوث مریضوں میں تین سو فی صد اضافہ ہوا۔ لیکن ۱۹۸۵ء کی آخر تک یہاں کیک اس میں تیزی آگئی اور یہ اعداد و شمار دس ہزار فی صد تک پہنچ گئے۔ کیا چونکا دینے کیلئے یہ اعداد کافی نہیں؟

کوکین کی وجہ سے ۱۹۸۰ء میں مرنے والوں کی تعداد ۶۱۳ (چھ سو تیرہ) ہوئی۔

موت عموماً دل کے یا کا یک ٹھہر جانے دماغ کی شریانوں کے پھٹنے یا سانس کے یا کا یک رکھنے کی وجہ سے ہوتی۔

آج کل نشیات اور زیادہ خطرناک ہو گئی ہیں۔ کیونکہ مسلسل تحقیق کی وجہ سے ان کی قوت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ آج سے صرف پندرہ سو لہ سال پہلے غنوڈگی کے لئے ماری وانا۔ (Marijuana) کی گانجہ کی ضرورت ہوتی تھی اب اس کا دسوال حصہ کم از کم تین گنا خطرناک ہوتا ہے۔ اسی طرح کوکین کا ایک عام پیکٹ صرف بیس فی صد ملاوٹ سے پاک ہوا کرتا تھا۔ اب پچاسی فیصد پاک کوکین عام طور پر فروخت ہو رہی ہے۔ ہیر و دن اوسٹاً ۱۷۳ فی صد پاک ملا کرتی تھی۔ اب آپ کوایسی ہیر و دن پاکستان ہی میں ملتی ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ نانوے فیصد ملاوٹ سے پاک ہے۔

اب امریکہ میں نشیات کے استعمال کی ایک اور روشن مقبول ہو رہی ہے۔ ان سے کم سے کم وقت میں زیادہ نشیح حاصل کرنے کے لئے ایک سے زیادہ نشہ آور دوا کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک امریکی سرکاری ذریعے کی رو سے نشر کرنے والوں کی بیس فیصد تعداد اب ایک سے زیادہ دواوں کو ملا کر استعمال کرنا پسند کرتی ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک کام ہے۔ اب سب سے زیادہ مو قیں اسی طرح ہو رہی ہیں۔ مثلاً ہیر و دن اور کافی کو ملا کر پاپی میں تمباکو نوشی کے انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ جہنم کے دروازے وقت سے پہلے کھول دیتی ہے۔

۔۔ دنیا میں جو سب سے خطرناک منشیات ہیں انہیں غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان پر پابندی لگ چکی ہے۔

یہ بھی ایک مفروضہ ہے اور صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کیمیا وی طریقوں سے جو نشہ آور دوائیں دنیا بھر میں تیار ہو رہی ہیں وہ ہر ملک میں مل جاتی ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان فانچ کا شکار ہو سکتا ہے اور مستقل طور پر ذہنی توازن کھو کر مر بھی سکتا ہے۔ ان حلقے کے باوجود ان کی فروخت پر اب تک کہیں بھی کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی کیونکہ انہیں طب میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں جہاں سوائے چند معمولی دواؤں کے کوئی بھی دوا ڈاکٹری نسخے کے بغیر بازار سے حاصل نہیں کی جاسکتی وہاں صورت حال اتنی خطرناک نہیں جتنا تیرسی دنیا کے ملکوں میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً۔

آخر انہیں غیر قانونی قرار دینے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی؟ اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جوں ہی کوئی دوامی بند ہو جاتی ہے اور اس کی تیاری کی قوانین اجازت نہیں دیتے اس سے زیادہ مانگ موجود ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اس بندیا دی دوا کے فارموں میں رو بدل کی بڑی گنجائش ہے۔ ان کوئی شکل دے کر پیش کرنا کوئی مشکل نہیں یہ کام کسی کانچ یا یو نورٹی کی تجربہ کا ہوں میں ان کی لمبارٹری میں ہو سکتا ہے۔

۔۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ منشیات کے استعمال کرنے والے کی نشاندہی اس کے پیشاب کا تجزیہ کر کے کی جاسکتی ہے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ ایسا تجزیہ کبھی سو فیصد صحیح نتیجے نہیں دیتا۔ اگر نشہ کرنے والے میں افراد کے پیشاب کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے امکانات ہیں کہ ان میں کم از کم ایک کا پیشاب اسے مخصوص قرار دے سکتا ہے۔ اس کی وجہ تجزیہ کا طریقہ کار ہے جس میں خاصی کمزوریاں ہیں جنہیں دور کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

امریکہ میں منشیات کا خطرہ کچھ اتنا بڑھ گیا ہے وہاں نشہ کرنے والوں کی نشاندہی کے لئے بڑے بڑے کارخانوں اور دفاتر میں اچانک طبی معاہدے کے جارہے ہیں۔ اس میں کام کرنے والوں کے پیشاب کا تجزیہ اہم ہے۔ پچیس فیصد بڑے امریکی ادارے کسی کو ملازم رکھنے سے پہلے اس کے پیشاب کا تجزیہ ضرور کرتے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کی رو سے آٹھ سے پہنچیں فیصد آسامیوں پر لوگ اس لئے نہیں رکھے جاتے کیونکہ ان کے

تجزیے نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نشہ کرتے ہیں۔ اتنی احتیاط کے باوجود یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بقیہ میں سے کم از کم دوفی صدھو کہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور مہینوں کسی اور طبی معائینے کے موقع پر کپڑے جاتے ہیں اور جرم کا اقرار کر لیتے ہیں کہ وہ برسہا بر سے نشہ کر رہے تھے۔

یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ ایسے مجرم کس طرح فی نکلتے ہیں؟ اس سے بچتے کئی طریقے معلوم کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب کسی کو پتہ چلتا ہے کہ کل اس کا طبی معائینہ ہونے والا ہے تو وہ ایسی دوا میں پینے لگتے ہیں جن کی وجہ سے پیشاب بہت زیادہ مقدار میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پانی اور مقبول عام مشرود بات بھی بہت زیادہ استعمال کرنے لگتے ہیں تاکہ راتوں رات ان کے جسم میں نشہ آور دواؤں کا وجود پیشاب کے ذریعے مکمل طور پر کنل جائے۔

— کوکین کا زہر پھیلانے والے عموماً یہ یقین دلاتے ہیں کہ اس کا ایک آدھ بار استعمال انسان کو اس کا عادی نہیں کر دیتا۔

اس کا بہت زیادہ ثبوت موجود ہے کہ یہ بات سرے سے غلط ہے۔ اگر کوکین کو سگریٹ کی طرح پیا جائے اس کا انجکشن لیا جائے یا اس کا دھواں سونگھا جائے تو بڑی تیزی سے یہ انسان کو عادی کر دیتا ہے۔ کوکین کے بارے میں میرے سامنے اس وقت بعض اعداد و شمار ہیں جنہیں میں نے امریکین سرکاری ذرائع سے حاصل کیا تھا۔ ان کی رو سے ایسے ۲۶ ملین یعنی دوسو ساٹھ لاکھ امریکیوں کا ریکارڈ دیکھا گیا جنہوں نے کوکین استعمال کرنے کے تجربے کئے۔ ان میں سے چالیس سے اسی لاکھ تک ایسے ہیں جو میں نے میں کم از کم چار مرتبہ اس کا نشہ ضرور کرتے ہیں۔ ان میں سے بیس لاکھ ایسے بدقسمت ہیں جنہیں اس کی لٹ اتنی شدت سے پڑی ہے کہ اب وہ اس سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکتے۔

اس کی لٹ تیزی سے اس وقت پڑتی ہے جب کوکین کو سگریٹ کی طرح پیا جائے اس کا دھواں اندر لینے کے صرف چار سینٹ کے بعد اس کا نشہ انسان کو اپنی مکمل گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس کے اثر میں شدت پانچ منٹ تک رہتی ہے اور جوں ہی نشہ کم ہونے لگتا ہے۔ اس کے لئے اشتہا کی شدت میں فوراً اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ چکر چھ بھتے کے اندر اندر و بال جان بن جاتا ہے اور مریض کوشش کرے بھی تو اس سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکتے۔

سکتا۔

-- ایک اور مفروضہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جس علاقے یا ملک میں قوانین سخت کر دیئے گئے ہیں وہاں حالات سدھ رکھنے ہیں نیز یہ کہ جب نشہ کرنے والوں کو یا اس کی تجارت میں ملوث مجرموں کو گرفتار کر کے کڑی سزا میں دی جائیں تو ان کی مثال کو دیکھتے ہوئے اب سڑکوں پر نہ نشہ کرنے والے نظر آتے ہیں اور نہ ان کی تجارت کرنے والے۔

یہ تصور بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قوانین کی سختی کے باوجود زیادہ سے زیادہ مجرم پکڑے جا رہے ہیں سزا میں بھی ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود جو نشہ کرنے والوں کی تعداد کم ہوتی اور نہ منشیات کی تجارت کرنے والوں کی۔ بعض ترقی یافتہ ملکوں میں خصوصاً امریکہ میں جب لوگ منشیات کے مسائل کے سلسلے میں پکڑے جاتے ہیں تو ان میں سے بہت سوں کو چھوڑ بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے لئے جیلوں میں اب گنجائش بڑی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ امریکہ ہی میں ایک اہم تحقیق ہوتی ہے۔ اس کی رو سے منشیات کی وجہ سے لا قانونیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ انتظامیہ نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

واشینگٹن ڈی سی میں سال بھر میں جتنے مجرم پکڑے گئے ان میں سے دو تھائی مجرموں نے بتایا کہ گرفتاری سے چند دن پہلے تک وہ منشیات کا استعمال کرتے رہتے تھے۔ جو جیلوں میں قید ہیں انہوں نے بھی ایک بڑی دلچسپ بات بتائی۔ ان میں سے اسی فی صد منشیات کے عادی رہے ہیں۔

جو مجرم وفاقی جیلوں میں سزا میں کاٹ رہے ہیں ان میں سے ایک تھائی ایسے ہیں جن کے جرائم کا تعلق منشیات سے تھا۔

امریکہ کی مختلف ریاستوں اور وفاق کے زیر اثر علاقوں میں ایسے قوانین نافذ ہیں جن کی رو سے اگر کوئی منشیات فرودخت کرتا پکڑا جائے تو اسے فوراً صرف دس ڈالر کا جرمانہ ہوتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے وفاقی حکومت نے جو بڑی سے بڑی سزا مقرر کی ہے وہ صرف ساڑھے پانچ سال کی ہے۔ ظاہر ہے ایسی سزاوں کی موجودگی میں سڑکیں اور محلے منشیات کی لین دین کرنے والوں سے کیسے پاک رہ سکتے ہیں۔

-- امریکہ میں ایک تصور یہ بھی ہے کہ اگر امریکی حکومت اسمگنگ کی روک تھام کے لئے اور زیادہ رقماں کا انتظام کرنے اور پولیس کے عملے میں بہت زیادہ اضافہ کر دے تو منشیات کی اسمگنگ کو سرحدوں ہی پر روکا جاسکتا ہے۔

یہ خیال بھی غلط ثابت ہو چکا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں امریکی حکومت نے لاکھوں ڈالر لگا کر منشیات کی غیر قانونی تجارت اور اسمگنگ کو روکنے کی کوشش بہت بڑے پیمانے پر شروع کی اور اس کے باارے میں تمام ابلاغ غامد کا سہارا لے کر خوب پروپینگڈا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سال کے بعد سے جس مقدار اور جس رفتار سے ہیروئن اور کوکین امریکی سرحدوں میں داخل ہوئی اس نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے۔ اس کا اندازہ کپڑے جانے والی منشیات سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو پچ کرنکل گئے اس کا تودہاں کی حکومت کو مطلق اندازہ نہیں۔

میں نے ان تفصیلات کا یہاں اس لئے ذکر کیا ہے کہ صحیح صورت حال کا آپ کو اندازہ ہو سکے۔ جب اپنی تمام ترسہلوں کے باوجود امریکہ جیسا ترقی یافتہ ملک منشیات کے خلاف جنگ اب تک جیت نہیں سکا تو ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ نہ ہمارے پاس ویسے وسائل ہیں اور نہ اس خطہ ناک دشمن کی حکمت عملی کے باارے میں مکمل معلومات ہیں۔ ہمارے یہاں غربت ہے لاعلمی ہے وسائل کی کمی ہے ساتھ ہی رشتہ کا بازار گرم ہے۔ ان حالات میں منشیات کے تاجریوں سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ ہمارے حق میں اس مسئلے کا صرف ایک پہلو ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اس دیوبکے جملے کے ابھی پہلے دور میں ہیں اور اب تک اس کے قدم پوری طرح یہاں جنے نہیں ہیں۔ اگر اب ہم نے اپنے تمام وسائل کو کجا کر کے اس پر بھر پور حملہ کیا تو کیا پتہ ہمیں وہ کامیابی حاصل ہو جس کی مغربی دنیا نے ابھی صرف خواب ہی دیکھے ہیں۔

چند مخصوص مریض، ایک جائزہ

میں نے نشیات سے متعلق ایک کتاب عام فہم انداز میں لکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس عذاب کے بارے میں جہاں مختلف ذرائع سے مواد جمع کرنا شروع کیا وہاں اس کا بھی ارادہ کر لیا کہ میں ہمارے معاشرے کے مختلف طبقوں سے چند مریضوں کا انتخاب کروں گا ان سے ملوں گا تبادلہ خیال کروں گا اور اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ان کی کہانیاں آپ کو بھی سناؤ گا تاکہ میرے ساتھ آپ بھی غور کر سکیں کہ یہ مخصوص آخراں خطرناک لعنت کی زد میں کیسے آگئے؟ کوئی بھی پیدائشی برائیں ہوتا نہ کہ عادی نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی موڑایا آتا ہے کہ وہ اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اس راستے پر عموماً نادانستہ طور پر پڑتا ہے۔ میں یہ جانتا چاہتا تھا کہ آخروہ کیا وجوہات اور وہ کون سے حرکات تھے جن کی وجہ سے اس فرد کو نشیات کی آغوش میں پناہ لینا پڑی یہ جانتا ضروری تھا۔ ان تفصیلات کے بغیر میری کوشش ادھوری رہتی۔

میں ایسے کئی نوجوانوں سے واقف تھا جو نشہ کرتے تھے۔ ایک کوتولی میں نے اسی کے چکر میں جان دیتے بھی دیکھا تھا۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی سے اس موضوع پر گفتگو کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ یہ ایک نازک مسئلہ تھا اور کوئی بھی اپنی اس کمزوری کے بارے میں آسانی سے مجھ سے باتمیں کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ اس لئے میں نے بہت غور کرنے کے بعد اپنے محترم دوست ڈاکٹر سید ہارون احمد کارخ کیا جو ایک مشہور ماہر نفیات کے

مسئلے کو ختم کرنے میں ان کی جدوجہد کا ذکر بھی میں اس سے پہلے کر چکا ہوں۔ یہ ان ہی کی نظر عنایت ہے کہ میں ان کے توسط سے نہ صرف ان مریضوں سے ملا جن کی کہانی میں اگلے صفحوں میں سناؤ گا بلکہ ان ملاقاتوں کے بعد ان کے تجربوں کے بارے میں محترم ڈاکٹر سید ہارون احمد صاحب سے جو سیر حاصل گنتگو ہوئی اس نے بھی میری رہبری کی اور نشیات کے پیچیدہ مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں میرے بڑے کام آئی۔

میں نے جو چھ مختلف لوگوں کی کہانیاں سنائی ہیں ان میں مصلحتاً میں نے ان سے متعلق خواتین اور حضرات کے نام اور جن علاقوں میں وہ رہتے ہیں ان کے پتے بھی بدلتے ہیں تاکہ ان کی نیک نامی پر کوئی آجخ نہ آئیں۔ لیکن میں اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہوں کہ جو بصیرت افروز واقعات میں آپ کو سنانے لگا ہوں وہ سو فیصد صحیح ہیں۔ ان کے کردار آپ ہی کی دنیا کے، آپ ہی کے ماحول کی پیداوار ہیں۔ اگر ان کے تجربوں پر آپ غور کریں تو آپ کو ایسے ایک نہیں درجنوں کردار نظر آئیں گے۔ وہ جنمیں حالات نے، معاشرے نے، وقت نے ان کی لمحے بھر کی کمزوری کی بڑی کڑی سزا دی۔ انہیں تلاش کرنے کے لئے آپ کو دور جانا نہیں ہوگا۔ اپنے گرد جنمیں دیکھ کر جن کے بارے میں اور وہ سے سن کر آپ سوچیں گے کہ کہیں میں نے ان ہی میں سے کسی ایک کی کہانی تو آپ کو نہیں سنائی۔

میں نے اپنے تجربے کی ابتداء کراچی کے ایک علاقے لیاری سے کی۔ ویسے اس بڑے، بے ہنگم شہر میں اور بہت سے علاقے ہیں جہاں نشیات کا کاروبار خوب ہوتا ہے۔ ان علاقوں کے علاوہ بعض مخصوص پارک اور بازار ہیں جن میں یا جن سے محقق رہائشی بستیوں میں دن رات آپ کسی بھی وقت جتنی چاہئے ہیر و کن خرید سکتے ہیں۔ ان حقائق کے باوجود میں لیاری کے علاقے کو اس لئے پسند کیا کیونکہ یہاں کی زیادہ آبادی غریبوں کی ہے اور ان میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کم ہے۔ یہاں بے شمار نگ اور نیم تاریک گلیاں ہیں آبادی بڑی گنجان ہے اور نوجوان بڑی تعداد میں رہتے ہیں ان میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور غیر تعلیم یافتہ بھی۔ ان کی اکثریت خدا جانے کب سے بیکار ہے کیونکہ ملازمت حاصل کرنے کیلئے نہ ان کے پاس رشوت کی رقوم ہیں اور نہ کوئی معقول سفارش۔ نشیات کے حملے سے پہلے بھی یہاں دھڑلے سے جرائم ہوا کرتے تھے لیکن ان

کی نوعیت مختلف تھی۔ چوری، جیب تراشی، کبھی کبھار قتل بھی۔ نشیات نے نہ صرف ان جرائم پیشہ لوگوں کو سہارا دیا بلکہ انہیں عام فرم کے جرائم سے زیادہ خطرناک جرائم پر ابھارا۔ میں نے اپنے ایک مکرانی دوست کے ساتھ اس علاقے میں کچھ وقت گزارا تو بعض بڑی عجیب معلومات نے مجھے حیران کر دیا۔ یقین نہیں آیا کہ لیاری بھی کراچی جیسے عروں البلاد کا ایک بڑا گنجان محلہ ہے۔

سہولتوں کا جائزہ لیا تو پہتے چلا کہ ۱۹۸۰ء سے لے کر ۱۹۸۹ء کے ابتدائی زمانے تک روزانہ تین چار لوگ کسی نہ کسی وجہ سے بے بسی کی موت مرتے تھے۔ نشیات کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ اموات میں بھی اضافہ ہو گیا۔ مجھے میرا دوست ایسے کئی گھروں میں لے گیا جہاں بہت سے مریض نیم مردہ حالت میں پڑے تھے۔ ان میں سے اکثر ہر طرح کا نشر کیا کرتے تھے۔ ایک گھر میں دیکھا اس گھر کا نوجوان مالک ایک طرف نئے میں مست لیتا آسمان کو تک رہا ہے اور اس کی جوان مدقوق یوں تین ننھے منے بچوں کو بہلا رہی ہے۔ غالباً بچے بھوک سے بلک رہے تھے اور ماں انہیں بہلا وے دے رہی تھی۔

ان واقعات نے طبیعت کو اس قدر مکدر کر دیا کہ مجھ سے وہاں ٹھہرنا نہ گیا اور میں مضطرب ہو کر لوٹ آیا۔ اس کے بعد مجھے اپنے اسی دوست کی وساطت سے ایک ایسے نوجوان سے ملنے اور تبادلہ خیال کا موقع ملا جو میٹرک پاس تھا اور آج سے چند سال پہلے ایک اچھا بآکر سر تھا۔ اب تو ہیر وئن کا استعمال کر کے اس نے اپنی صحت اس حد تک بڑا کر لی تھی کہ باکنگ رنگ تو کجا وہ اپنے گھر کے آنگن میں بھی بڑی مشکل سے کھڑا ہو سکتا تھا۔

یہاں یہ یاد رکھئے کہ اگلے صفحوں میں جتنے بھی مریضوں کے نام لے کر میں کچھ لکھوں گا۔ وہ ان کے فرضی نام ہیں۔ اب لیاری کے اس نوجوان کو لیجئے۔ اس کا نام ظہور شاہ تھا۔ عمر تقریباً پچیس سال۔ صحت کا حال بیان کر چکا ہوں۔ رنگ سیاہ۔ بال گھونگریا لے۔ ناک قشہ اچھا۔ تین سال پہلے کراچی بورڈ سے اچھے نمبروں کے ساتھ میٹرک پاس کیا تھا۔ اس کے بعد آگے گے پڑھنیں سکتا تھا اس لئے ناولر سے قریب کسی ناپینگ انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا تاکہ شارٹ پینڈ اور ناپینگ سکے۔ اس کی شادی اس زمانے میں ہوئی تھی جب وہ آٹھویں میں پڑھتا تھا۔ باپ کے اچانک انتقال کے بعد یوں بچوں کے علاوہ ماں کی دیکھ بھال کا بوجھ بھی اس پر آن پڑا۔

ظہور نے بتایا کہ اپنی ٹائپنگ کی کلاس میں اس کی ملاقات ایک بڑی عمر کے شخص سے ہوئی۔ وہ جیسے کہترے پہن کر ٹائپنگ سکھنے آتا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ کھاتے پیتے گھر کا ہے۔ ایک دن ظہور نے اس سے پوچھا کہ جب وہ ملازمت نہیں کرنا چاہتا تو پھر ٹائپنگ کیوں سیکھ رہا ہے۔ اس کے نئے دوست نے بتایا کہ ان لوگوں کا پشاور میں بڑا کاروبار ہے۔ وہ کراچی میں بھی اپنا ایک دفتر کھونا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس میں کچھ وقت لگے گا اس لئے انہوں نے سوچا کہ اس وقت میں کوئی ایسا ہنزہ کیوں نہ سیکھ لیں جو ان کے لئے مفید ثابت ہو۔ ظہور اس شخص کی باتوں میں آگیا اور بہت جلد دونوں دوست بن گئے۔ اس شخص نے ظہور کو یقین دلایا کہ چند مہینوں کے بعد جب اس کا کاروبار یہاں شروع ہو گا تو وہ اسے اپنا سکریٹری بنالے گا۔

اس وقت تک ظہور کو صرف ایک بڑی لوت تھی۔ وہ تھی سگریٹ کی لوت جو اسے بڑی چھوٹی عمر میں پڑ گئی تھی۔ چونکہ وہ قیمتی سگریٹ نہیں خرید سکتا تھا اس لئے وہ سے سگریٹ پیا کرتا۔ جب نوکری کے نہ ملنے کی وجہ سے اس کی ذہنی پریشانیوں میں اضافہ ہو گیا تو وہ زیادہ سگریٹ پینے لگا۔ جس زمانے میں اس کے نئے دوست نے ایک بہتر مستقبل کے بزر باغ دیکھائے اس وقت وہ دن بھر میں تقریباً پچھیں چھبیس سگریٹ پینے لگا تھا۔

ایک دن اس کے نئے دوست نے اسے اپنے گھر مدعو کیا۔ ڈینش سوسائٹی کے بنگلے تک خود اپنی گاڑی میں لے گیا خوب خاطر کی اور پھر اسے مشورہ دیا کہ وہ گھٹیا سگریٹ پینا چھوڑ دے کیونکہ ان سے کینسر کا خطرہ ہوتا ہے یہ کہہ کر اس نے ایک مخصوص قیمتی سگریٹ پینے کے لئے دیا۔ یہ سگریٹ ظہور شاہ کو بہت پسند آیا۔

اس پر اس کے دوست نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ روزانہ اسے ایسے ہی سگریٹ پلایا کرے گا۔ یہ ظہور شاہ کی بتاہی کا پہلا مرحلہ۔ اس کے بعد سگریٹوں کا کوئی ایک سے دو روزانہ بڑھا۔ پھر اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اس زمانے میں ظہور شاہ کو بولن مارکیٹ کے ایک تاجر کے یہاں ٹائپسٹ کی نوکری مل گئی تھی۔ جب مخصوص سگریٹ کی طلب لاعلم اور معصوم ظہور شاہ کو شدت سے ہونے لگی تو اس کا دوست اسے ایک خاص جگہ سے یہ سگریٹ دلوانے لگا۔ اس کے بعد اسے اطلاع دی کہ اس کا کاروبار اب شروع ہونے ہی والا ہے۔ اس سلسلے میں فوری طور پر پشاور جانا ہے۔ جانے سے پہلے وہ لیاری ہی میں ظہور شاہ

کے گھر سے قریب ہی ایک ایسے اڈے کی نشاندہی کر گیا جہاں اس کے من پسند سگریٹ آسانی سے ملا کرتے تھے۔

اس دن کے بعد ظہور شاہ کو اس کا نیاد و سوت پھر کبھی نہیں ملا۔ نہ کراچی میں اس کا کاروبار ہی شروع ہوانہ ظہور شاہ وہاں سکرپٹری کی نوکری تھی۔ جب میں اس سے ملا اور اس کی پیتا سفی اس وقت تک اس کا مرض لا علاج ہو چکا تھا۔ صحیح علاج کا موقع تو اسے کبھی نہیں ملا تھا کیونکہ مہینوں اسے یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کا مرض کیا ہے اور اس کے مناسب علاج کے لئے اسے کس ڈاکٹر یا ہسپتال کا رخ کرنا چاہئے۔

اس کی داستان سن کر میں نے سوچا۔۔۔ خدا جانے لیا ری اور ایسی ہی بستیوں میں اور کتنے ظہور شاہ ہونگے جو اپنی لامعی اور معصومیت کا شکار ہو گئے۔ جب کراچی جیسے بڑے اور اہم شہر میں لامعی کا یہ عالم تھا تو نہ جانے دوسرے چھوٹے پاکستانی شہروں کا کیا حال ہو گا۔ جہاں سماج و شن عناصر اپنے حلوے مانڈ کی خاطر سیکڑوں معصوم مردوں اور عورتوں کی زندگی سے کھلی رہے ہوں گے۔

میں نے لیا ری کی صورت حال پر خاصی معلومات جمع کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا وہاں نشر کرنے والے تقریباً تمام مردوں ہی ہیں۔ عورتیں اب تک اس لعنت سے محفوظ ہیں شاہد اس لئے کہ وہ آئے دن اپنے اور علاقے کے دوسرے مردوں کا حال دیکھ چکی ہیں۔ غالباً وہ سوچتی ہیں کہ وہ بھی ان ہی کے رنگ میں رنگا کیں تو ان کی اولاد کا ان کے معصوم بچوں کا کیا ہو گا؟ ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

اب میں آپ کو ایک خاتون کی کہانی سنارہا ہوں جو اس سال مارچ تک نشیات کے چنگل سے بچ نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ اس سے پہلے مجلس سماجی کارکنان پاکستان کراچی کے ذریعے حاصل کی ہوئی چند بصیرت افرزوں تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

اس فلاجی ادارے کی رو سے ملک بھر میں ایک لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ خواتین نشیات کے چکر میں ہیں۔ ان میں سے تین ہزار کراچی میں رہتی ہیں۔ ان کی اکثریت تعلیم یافتہ اعلیٰ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی عمریں سترہ سے ۳۲ سال تک ہیں۔ ان میں سے تیس فی صد خواتین نے رازدارانہ شوہروں یا قربی سہیلیوں اور دوستوں کے مشورے پر نشیات کا استعمال شروع کیا تھا۔ شروع شروع میں وقت ضرورت استعمال کرتی تھی بعد کو

ایسی لٹ پڑی کہ اب ہر وقت نشہ آور دواؤں کی ضرورت رہتی ہے۔
 ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کس طرح مخصوص علم خواتین کو اس جنگال میں پھنسایا گیا۔
 میں جن خاتون کی پپتا سارہا ہوں انہیں اس طرح کا تجربہ نہیں ہوا۔ وہ تو ایک
 نارمل بیوی اور ایک عام محبت کرنے والی ماں کی زندگی گزار رہی تھی کہ اس طوفان نے آن
 گھیرا۔

ان کا نام فریدہ تھا عزیز تقریباً پینتیس سال۔ گوارنگ پرکشش خدوخال۔ گراچی
 یونیورسٹی سے عمرانیات میں ایم اے کیا تھا۔ خود بھی بڑے دولمند گھرانے کی تھیں اور ان کی
 شادی ایک ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ خوش شکل شخص سے ہوئی تھی جنہوں نے امریکہ میں تعلیم
 حاصل کی تھی۔ اب وہ ایک بڑے تجارتی ادارے کے سربراہ تھے۔ ان کے دونوں بچے تھے۔
 ایک لڑکی جس کی عمر سات سال تھی اور ایک لڑکا جو چار سال کا تھا۔

میں جب پہلی بار فریدہ سے ملا تو انہیں دیکھ کر یقین نہ آیا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ
 روشن خیال عورت بھی نہ کر سکتی ہے۔ انہیں نہ کوئی جسمانی تکلف تھی اور نہ کوئی ذہنی
 پریشانی۔ انہیں تو دنیا کی تمام آسانیش حاصل تھیں۔ خوشحال گھرانہ، دولت کی فراوانی،
 محبت کرنے والا شوہر، دو بیمارے بنچے۔ پھر وہ نشیات کے چکر میں کیسے آگئیں؟ میں نے
 پوچھا۔ کیونکہ ان پر وہ تمام سماجی کمزوریاں اور شرائط لاگو نہیں ہوتی تھیں جن کی وجہ سے
 عام طور پر لوگ نشیات کا سہارا لے کر فرار کارستہ ڈھونڈتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب
 جو انہوں نے دیا وہ میں اسی طرح بیان کر رہا ہوں۔

”آپ نے بالکل صحیح سوچا اور آپ کا سوال بھی مناسب ہے۔ مجھے واقعی دنیا
 کی تمام نعمتیں حاصل تھیں اور میں اپنی جنت میں بہت خوش تھی کہ پچھلے سال میں نے اپنے
 شوہر میں بعض تید بیلیاں محسوس کیں۔ مثلاً وہ دفتر سے اکثر دیر سے آنے لگے۔ عموماً اپنے
 کپڑوں اور اپنی صفائی کا انہیں بہت خیال رہتا تھا۔ لیکن اب میں نے نوٹ کیا کہ وہ ایک
 ہی سوٹ کئی دن لگاتار پہنچتے اور کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ ان کی شایان شان نہیں ہے۔
 کئی بار وہ دیر سے اٹھ کر بغیر نہائے اور شیوں کے دفتر بھی گئے۔ یہ باقیں میری سمجھ میں نہیں
 آئیں۔ میں نے ایک دن پوچھ ہی لیا تو کام کی زیادتی کا بہانہ کیا۔ اس کے بعد صاف
 سترے تو رہنے لگے لیکن رات کو اکثر تاخیر سے گھر آنے لگے۔ جب بھی آتے تو خوشبو میں

بے ہوئے۔ مجھے شک ہو گیا کہ یقیناً کسی دوسری عورت کا چکر ہے۔ اس موضوع پر میں ان سے ایک رات لڑپڑی۔ اس رات کو خاصاً چھٹا ہوا۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے معافی مانگی اور اس کے بعد وقت پر گھر آنے لگے اور صاف سترے بھی رہنے لگے۔

چند دنوں کے بعد ایک دن غسل خانے میں مجھے ایک سگریٹ کا ٹوٹا پڑا ہوا ملا جس کا بڑا نام مجھے عجیب لگا۔ میں نے بعد میں ان کے بریف کیس کی تلاشی می تو ایک گھٹیا برائٹ کے سگریٹ کی ڈبیا ملی۔ یہ بات بھی مجھے عجیب لگی کیونکہ میرا شور، ہمیشہ ایک ہی اعلیٰ برائٹ سگریٹ پیا کرتے تھے۔ جب وہ اسکول میں تھے اس وقت سے وہ یہی برائٹ پیتے تھے۔ امریکہ گئے تو ان کے کزن یہاں سے خرید کر بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ تبدیلی کیوں؟ میں نے سوچا۔ آخر میں نے ان کی ڈبیا میں سے سگریٹ چڑا کر ان کے جانے کے بعد میں نے وہ سگریٹ ٹراہی کیا۔ کھانے کے بعد اکثر میں سگریٹ پیا کرتی تھی لیکن ان ہی کے برائٹ کے سگریٹ۔ جب میں نے یہ نیا سگریٹ پیا تو پہلے چند کش میں اس کا مزہ کچھ عجیب لگا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اچھا لگا۔ دوسرے دن بھی میں نے انہیں بتائے بغیر ان کے بریف کیس سے ایک سگریٹ چپکے سے اڑالیا اور اس سے لطف اٹھایا۔ یہ سلسلہ کئی ہفتے چلتا رہا۔ پھر ایک سے دو سگریٹ روزانہ پھر تین، پھر چار، جب ایک دن میں نے پانچ سگریٹ اڑا کر مزے اڑائے تو میں شام کو پکڑی گئی۔ لیکن مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب میرے میاں نے مجھے ڈانتنے کے بجائے میری چوری کوٹاں دیا اور اپنے جیب سے ایک پوری ڈبیا نکال کر مجھے پیش کی۔ اس رات کھانے سے پہلے ہم دونوں نے مل کر سگریٹ نوشی کی۔

—اب آپ سمجھ گئے ہوں گے میں کس طرح منیا کے شکنے میں اپنی حماقت کی وجہ سے آئی؟، وہ رک گئی تو میں نے کہا۔ ”اسے لاعلمی کہئے۔“

”ایسی ویسی لاعلمی؟ مجھے حیرت ہے کہ اتنا پڑھ لکھ لینے کے بعد بھی اس مسئلے کے بارے میں مجھے بالکل کچھ نہیں معلوم تھا ورنہ میں پہلا سگریٹ دیکھتے ہی سمجھ جاتی کہ چکر کیا ہے۔ ہمارے یہاں اس عذاب کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

میں امریکہ سے واپس آنے کے بعد ڈاکٹر دوست کے پاس گیا جوان کا علاج کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میاں اور یہودی دونوں کی حالت بہت بہتر ہے۔

میری تیسری کہانی دو بھائیوں کے بارے میں ہے۔ دونوں کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔ ان کی عمریں بیس اور بائیس سال ہیں۔ والدین کے یہی دو بیٹے ہیں۔ دونوں ذہین اور طبیعتاً شریف۔ جب تک اسکول میں رہے، بہت اچھے طالب علم رہے۔ ان کا پڑھائی کاریکار ڈبھی تقریباً ایک ساتھ تھا۔ ان کا پہلے منظر ایک، گھر کا ماحول ایک سا، صحت ایک سی۔ والدین نے دونوں کو محبت دی اور انہیں کبھی معاشی یا ذہنی مسائل کا شکار ہونے نہیں دیا۔ اس کے باوجود مجھے جب پتہ چلا کہ بڑا نش کرنے لگا ہے اور چھوٹا اب تک محفوظ ہے تو میں نے بڑے سے ملنے کی تھاں۔

اس کا نام راشد تھا اور یہ لوگ ہاؤسگ کے بلاک نمبر ۶ میں رہتے تھے۔ جس شام کو میں وہاں گیا، اس دن چھوٹا بھائی باپ کے ساتھ اپنے عزیزوں سے ملنے ڈیپنس سوسائٹی گیا ہوا تھا۔ گھر پر راشد کے ساتھ اس کی والدہ تھیں جو ملنے کے چند لمحوں ہی کے بعد مجھے معقول گھر بیلو خاتون لگیں۔ جس طرح وہ باتوں باتوں میں رومنی سے انگریزی کے الفاظ استعمال کر رہی تھیں اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ تعلیم یا فن بھی تھیں۔ میرے دوست ڈاکٹر صاحب نے پہلے ہی سے انہیں بتا دیا تھا کہ میرے آنے کا مقصد کیا ہے۔ اس نے مجھے چائے کی ایک پیالی دے کر بولیں۔

”راشد کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ آپ چائے پی لیں تو اس کے پاس لئے چلتی ہوں۔ آج اس کی طبیعت بہتر ہے۔“ یہ سن کر میں نے پوچھا۔ ”یہ ہوا کیسے؟“ ”یہی تو ہماری سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ انہیں بچپن سے ہم نے پیار دیا۔ اپنا بہت سا وقت دیا۔ جس چیز کی دونوں بھائیوں نے خواہش کی، وہ سب کچھ دیا۔ ہمارا خیال تھا دونوں بڑی مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اب لگتا ہے ہم کتنی خوش نہیں میں بتلاتھے۔“ ان کی ادائی دیکھ کر مجھے بے حد تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد راشد سے مل کر اور زیادہ تکلیف ہوئی۔ اس کی شکل سے، باتوں سے، انداز سے، آنکھوں کی وحشت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ دلدل میں کس حد تک ڈھنس گیا ہے۔ نہ اس سے باتمیں کر کے، نہ ماں سے اور نہ اس کے چھوٹے بھائی سے باتمیں کر کے مجھے پتہ چلا کہ وہ کیا حرکات تھے جن کی وجہ سے راشد کو فرار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میرے دوست ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ بہت ممکن ہے دونوں بھائیوں کی ایک ہی لڑکی سے محبت ہو اور لڑکی نے چھوٹے کو ترجیح دی

ہو۔ یہ صدمہ جب راشد کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہو تو اس نے منیات کی آنکش میں پناہ لی ہو۔

اس مسئلے میں کھل کر میں نے اس کے والدین سے بتائیں کیس تو انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، ورنہ انہیں ضرور پتہ چل جاتا۔ اگر یہیں تھا تو پھر کیا وجہ تھی کہ راشد کے ساتھ یہ ہوا؟ اس نے منیات کی پہلی خوراک نہ کسی دوست سے حاصل کی، نہ کسی عزیز سے۔ وہ جہاں گیر پارک کی ایک گلی سے خرید کر لایا تھا۔ اس کا مزہ چکھا تھا اور پھر اس کا غلام بن کر رہ گیا تھا۔

میری چوتھی کہانی، پانچویں اور چھٹی کی طرح بڑی مختصر سی ہیں۔ یہ ایک ٹرک ڈرائیور گل زمان خان کی ہے۔ وہ کراچی سے سامان لاد کر پشاور لے جایا کرتا تھا۔ یہ طویل سفر بڑا تھا دینے والا تھا۔ اس لیے اس کے کئی ساتھیوں نے تھکن مٹانے کی ایک ترکیب بتائی۔ چونکہ وہ بہت کم پڑھا لکھا تھا اس لیے اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہیر وئن کیسی ظالماں چیز ہے۔ شروع شروع میں تو واقع اسے تھکن کا بالکل احساس نہیں ہوا۔ لیکن جب ہیر وئن نے اپنا اصل رنگ جمانا شروع کر دیا تو گل زمان خان کے ہوش اڑ گئے کیونکہ وہ ایک سید ہا ساد اسچا مسلمان بھی تھا اور اسے معلوم تھا کہ اس کے دین میں ہر طرح کے نئے کوحرام قرار دیا ہے۔ اس لیے اس نے توبہ کرنے کے بعد اس کے پنج سے فیج نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن ہیر وئن کی گرفت سال بھر میں اتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ اس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ سزا کے طور پر اس کی نوکری جاتی رہے اور اب وہ ایک بڑے سرکاری ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ لیکن اسے یہ بھی معلوم ہے کہ آئندہ کوئی بھی ادارہ یا ٹرکوں کا کوئی بھی مالک کئی لاکھ کا ٹرک اس کے حوالے کبھی نہیں کرے گا۔

پانچویں کہانی ایک دس سالہ بچے کی ہے جو میرے دوست عارف کے بیٹے شاہد کی داستان سے ملتی جلتی ہے۔ یہ بچہ ایک متوسط گھرانے کے ادھیر عمر والدین کا تھا جو بڑی تیزی سے دولت مند بنے تھے۔ باپ ایک ایسے بدنام سرکاری ملکے میں چھوٹا موٹا افسر تھا جہاں دیکھتے ہی دیکھتے لوگ کوٹھیاں بناؤ التے ہیں۔ ماں پر سماجی خدمات بجالانے کا خط تھا۔ چنانچہ باپ کی اوپر کی آمدی اچھی خاصی تھے اس لیے فیڈرل بی ایریا میں رہتے ہوئے بھی وہ ڈینفس سوسائٹی میں دو ہزار گزر پرشاندار کوٹھی بنانے کے خواب دیکھا کرتی

تھیں۔ پہلے اس کی دیکھ بھال ایک دیہاتی آیا کیا کرتی تھی۔ بعد کو اسے ہٹا کر ایک عیسائی ملازم رکھ لیا گیا۔ یہ بوڑھا بچے سے انگریزی بولتا تو اماں باوا کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ شروع شروع میں تو وہ چھپ کر دیسی شراب پیا کرتا تھا۔ پھر وہ صاحب کی ولایتی شراب چڑا کر پینے لگا۔ اچھے سگریٹ تو وہ بہیشہ ہی سے پیا کرتا تھا۔ اس کی دیکھادیکھی منے میاں نے بھی چھپ کر سگریٹ پھونکنا شروع کر دیا۔ پھر یکا یک اماں کو لاؤ لے کی حرکتیں کچھ عجیب سے لگیں تو پوچھ گئے کی۔ پتہ چلا کہ چھ سات میینے سے بڑے خاص قسم کے سگریٹ پی رہے ہیں جو ان کا ملازم ولیم ازراہ کرن مفت پلایا کرتا ہے۔ نوکر کا جو حشر ہونا تھا وہ تو ہوا ہے۔ صاحزادے کا نہیں ہے اب تک زیر علاج ہیں۔

میری چھٹی کہانی تو ناقابل یقین بھی ہے اور غیر معمولی یہے۔ یہ جس خاتون اور ان کی تین ماہ کی بچی کے بارے میں ہے ان کا تعلق پاکستان کے ایک مشہور صنعت کار گھرانے سے ہے ان کا نام نادرہ ہے اور بچی کاروبی۔ ان کی شادی بھی ایک بڑے متمول صنعت کار گھرانے کے ایک اعلیٰ تعلیم یا فتنہ نوجوان سے ہوئی۔ دونوں کیلی فوریا کی ایک یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔ ان کی شادی بھی وہیں ہوئی اور یہ بچی بھی وہیں پیدا ہوئی۔ میرا اس گھرانے میں عرصے سے آنا جانا ہے۔ اس لیے جب مجھے پتہ چلا کہ نادرہ اور ان کے شوہر شعیب آج کل پاکستان آئے ہوئے ہیں تو ایک دن میں ان سے ملنے گیا۔ وہاں گھر کا ہر کمیں خاصا پریشان تھا کیونکہ نادرہ کی شخصی بچی خاصی پیار تھی۔ دو گھنٹے ان لوگوں کے ساتھ گذارنے کے بعد بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اسے بیماری کیا ہے۔

اتفاق سے اس دن کے بعد مجھے دس دنوں کے لیے اسلام آباد جانا پڑا۔ واپسی پر مزید ایک ہفتے میں اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ جب قدرے فرصت ملی تو میں نے شعیب کے گھر فون کیا۔ فون پر شعیب کی جگہ اس کے والد آئے اور انہوں نے بتایا کہ نادرہ اور شعیب امریکہ واپس چلے گئے۔ اس اطلاع سے مجھے حیرت ہوئی کیونکہ بچپن میں ملاقات پر شعیب نے صاف صاف کہا تھا کہ امریکہ سے اس کا جی بھر گیا ہے اور اب وہ لوٹ کر وہاں کبھی نہیں جائیں گے۔ پھر یکا یک کیا ہوا کہ وہ لوٹ گئے؟

ظاہر ہے فون پر تفصیلی بتیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس لیے چند دنوں کے بعد ان کے یہاں گیا۔ اتفاق سے شعیب کے والد کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کی والدہ مل

گئیں۔ باتوں باتوں میں شعیب کے یک ایک چلے جانے کی وجہ پوچھی تو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو پکنے لگے۔ پھر جوانہوں نے شعیب اور نادرہ کی کہانی سنائی تو میری روح کا پتھر گئی۔ میں آج بھی جب وہ باتیں یاد کرتا ہوں تو میری عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ جس طرح انہوں نے کہانی سنائی اسی طرح میں آپ کو سنارہا ہوں۔

”اپنی بچی کے علاج کے لیے واپس چلا گیا شعیب۔۔۔ اس مخصوص کا علاج یہاں نہیں ہو سکتا تھا۔“

اس سے پہلے کہ میں اس کی بیماری کا نام پوچھتا، وہ خود ہی بولیں۔

”کوکین بے بی ہے وہ۔۔۔ میرے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر غالباً انہوں نے سوچا کہ میں ان کی بات نہیں سمجھ سکا ہوں۔۔۔ اس لیے خود ہی وضاحت کی۔

”اسے ہر وقت کوکین کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔۔۔ اب کے حیرت سے میرے منہ سے ”خدا یا“، ”کل گیا تو بولیں۔

”یہ سب ہماری قسمت کا کھلیل ہے بھائی صاحب۔۔۔ نادرہ میری سگی بہن کی بیٹی ہے۔۔۔ بے حد نیک اور فرمانبردار۔۔۔ خدا جانے کس طرح اسے امریکہ میں کوکین کی لٹ پڑ گئی۔۔۔ میاں بیوی نے ڈر اور غالباً شرم کے مارے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ دونوں ہی کو، کوکین کی لٹ پڑ گئی ہے۔۔۔ ایسی حالت میں نادرہ حاملہ ہوئی۔۔۔ چھٹے مینے میں اس کی ہندوستانی ڈاکٹر نے نشوونک دینے کے لیے کہا۔۔۔ وہ مان بھی گئی۔۔۔ لیکن خاصی دری ہو گئی تھی۔۔۔ اب جو بچی پیدا ہوئی ہے اس کا جنم بھی نشہ مانگتا ہے اسے یہ نہ ملے تو عجیب طرح سے ترپتی ہے۔۔۔ وہ مخصوص۔۔۔ نا ہے شکا گو میں کوئی ہمپتال ہے جو ایسے بچوں کا علاج کرتا ہے، اسی لیے وقت ضائع کیے بغیر وہ لوگ شکا گو گئے ہیں۔۔۔ دعا کیجئے بھائی صاحب۔۔۔ خدا اس مخصوص کو شفاذے۔۔۔ میرا تو شعیب اکلوتا بیٹا ہے۔۔۔ اس کا دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کس کو الزام دوں۔۔۔“

میری سمجھ میں اب بھی نہیں آ رہا کہ اس مخصوص دس ماہ کی بچی کو والدین کے گناہوں کی کیوں سزا مل رہی ہے؟

آخری بات

نشیات کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم تھا اسے میں نے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جس رفتار سے اس کا سایہ بڑھ رہا ہے، اس کے اثرات پھیل رہے ہیں، آئے دن جیسی تکلیف وہ خبریں ملکی اور غیر ملکی اخباروں میں شائع ہو رہی ہیں انہیں پڑھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اس کرہ ارض پر بے کروڑوں انسانوں کا مستقبل آخر کیا ہے؟ ایک نئی عالمی جنگ کی روک تھام کے لیے تو دنیا کے تمام بڑے مل جل کر بہت کچھ کر رہے ہیں۔ نشیات کی وبا کو روکنے کے لیے ساری دنیا متحد ہو کر آخر جدوجہد کیوں نہیں کرتی؟

اگر ایک نئی عالمی جنگ، ایسی جنگ کی صورت اختیار بھی کر لے تو لاکھوں انسان پلک جھکتے خاک میں مل جائیں گے۔ لیکن نشیات کا زہر تو آہستہ آہستہ کروڑوں لوگوں کو اپنی گرفت میں لے کر، انہیں تڑپا تڑپا کر موت کے گھاث اتارے گا۔ کیا یہ موت اس موت سے زیادہ تکلیف وہ نہیں ہو گی جو ایم بیم کے استعمال سے نازل ہو گی؟ اگر میں نے صحیح لکھا ہے تو اس کے بارے میں آپ بھی غور کیجئے اور دوسروں کو بھی غور کرنے کے لیے کہئے۔ ہماری صحیح سوچ اور مشترکہ جدوجہد ہی ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو نشیات کے ہولناک پیسوں سے نجات دلا سکتی ہے۔



MashalBooks.Org

MashalBooks.Org